حدیث کے طلباء و طالبات کیلئے ایک انمول بیش بہا تحفہ

مبادیاتِ حدیث

علمِ حدیث کی تعریف، موضوع، غرض و غایت، وجہ تسمیہ، علمِ حدیث کی تاریخی حیثیت، حجیتِ حدیث، تدوینِ حدیث، حدیث کا شرعی حکم، طبقاتِ کتبِ حدیث، انواعِ کتبِ حدیث، تقسیمِ حدیث، اور فوائدِ اسناد پر تفصیلی کلام کے ساتھ ساتھ ستو ائمہ حدیث کا دلچسپ تذکرہ

از افادات
حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ

جمع و ترتیب مع تحقیق و حواشی
حضرت مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب
مقیم ڈیوزبری

تقریظ
مولانا ابن الحسن عباسی صاحب
استاذ الحدیث و رفیق شعبہ تصنیف جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ بیت العلم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضروری گزارش

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ التماس کی جاتی ہے کہ حتی الامکان ہم نے کتاب میں تصحیح وتخریج کی پوری کوشش کی ہے تاکہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو پھر بھی اگر کہیں مضمون، حوالہ جات میں سقم وضعف یا اغلاط نظر آئیں تو ازراہ کرم ناشر کو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی باقی نہ رہے۔

مزید اس کتاب کے متعلق کوئی اصلاحی تجویز ہو تو ضرور بتائیں۔

اس کتاب کی تصحیح اور کتابت پر الحمدللہ کافی محنت ہوئی ہے امید ہے قدردان لوگ مسلمانوں کے لئے کی گئی اس محنت کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے رہیں گے۔

جزاکم اللہ خیرا

آپ کی قیمتی آراء کے منتظر

احباب بیت العلم ٹرسٹ

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان

تقریظ

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب

استاذِ حدیث جامعہ فاروقیہ

زیرِ نظر کتاب، درحقیقت حدیث شریف کی شہرہ آفاق داخلِ درس کتاب "مشکوٰۃ شریف" کا مقدمہ ہے، جس میں علمِ حدیث کے مبادیات اور اصول وضوابط کا تعارف کرایا گیا ہے، حدیث کے لغوی، اصطلاحی معنی، تدوینِ حدیث، کتبِ حدیث کی قسمیں، انواعِ علمِ حدیث اور جلیل القدر محدثین کے حالات اس میں آسان اور مدرسانہ اسلوب میں جمع کئے گئے ہیں، دراصل یہ حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی کے درسی افادات ہیں، جنہیں مولانا مرغوب احمد لاجپوری نے مرتب و مدوّن کیا ہے اور حواشی پر بھی انہوں نے حوالہ جات کا کام کیا ہے۔۔۔ بیت العلم کے احباب نے اس کی نئی کمپوزنگ اور جدید تصحیح کرائی ہے اور ناقص حوالوں کی بھی تکمیل کی ہے۔۔۔۔ امید ہے کہ طلبہ اور علماء بطورِ خاص اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

ابن الحسن عباسی

۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

عرضِ محشی

حضرۃ الاستاذ مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کا ''مقدمۂ مشکوٰۃ'' ۱۹۹۵ء میں مولانا مفتی محمود بارڈولی صاحب زید مجدہ نے حضرت کی اجازت سے کچھ اضافہ اور ترتیب دے کر ''مبادیاتِ حدیث'' کے نام سے شائع کیا۔ اس مقدمہ میں حدیث کے متعلق بہترین معلومات مثلاً:

علم حدیث کی تعریف، موضوع، غرض وغایت، وجہ تسمیہ، علم حدیث پر شبہات کے جوابات، حجیتِ حدیث، مدارِ اجتہاد، مرتبۂ حدیث، حکم شرعی، انواعِ کتب حدیث، طبقاتِ کتبِ حدیث، تقسیمِ حدیث، مقدمۃ الکتاب وغیرہ مفید عنوانات کے ساتھ ساتھ ستر ہ ائمۂ حدیث کے دل چسپ حالات پر مشتمل یہ کتاب اس بات کی متقاضی تھی کہ اسے جدید طرز پر خوبصورت انداز میں شائع کیا جائے۔

ساتھ ہی اس زمانہ کے اسلوب کے مطابق حوالہ جات کا اہتمام بھی کیا جائے، اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ اس پر تحقیق وحاشیہ کا کام ہو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ محض اس کے فضل وکرم سے یہ سعادت راقم کے حصہ میں آئی، چنانچہ بزرگوں کے حکم پر یہ کام شروع کیا اور الحمد للہ چند دن میں مکمل ہوگیا۔

آیات کا حوالہ، احادیث کی تخریج، بعض مواقع پر کچھ اضافے کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہاں اضافہ بھی کیا گیا۔ بعد میں حضرۃ الاستاذ دامت برکاتہم نے من وعن اسے ملاحظہ بھی فرمایا اور جہاں مناسب سمجھا اصلاح فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور اسے حدیث پاک کی ادنیٰ خدمت شمار فرمائے۔ حضرت موصوف اور مرتب ومحشی کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے (آمین)۔

مرغوب احمد لاجپوری

پیش لفظ

از حضرۃ الاستاذ مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا:

پہلی مرتبہ جب مشکوٰۃ شریف کے درس کی ذمہ داری احقر کو سونپی گئی تو اس وقت علم حدیث اور کتاب مشکوٰۃ سے متعلق ضروری اور اہم ابتدائی باتیں اپنی سہولت اور طلبہ کے افادہ کے لئے نوٹ کرلی تھیں۔

اس زمانے میں اردو زبان میں نصابی کتابوں کی شروحات کا اتنا رواج بھی نہیں تھا جو بعد میں ہوا اس لئے اس قسم کی چیزیں کمیاب ہونے کی وجہ سے یہ تحریر طلبہ میں بہت مقبول ہوئی۔ بہت سوں نے اس کو نقل کیا۔ اس کے بعد تو بحمد اللہ اردو زبان میں نصابی کتابوں اور درسی شروحات پر بہت کام ہوا اور اچھے اچھے شاہکار وجود میں آئے، جن کے سامنے میری اس تحریر کی کوئی حیثیت و وقعت نہیں تھی، پھر بھی محبت رکھنے والوں کا اصرار رہا کہ آجکل جب اس طرح کی چیزیں طباعت کی شکل اختیار کر رہی ہیں آپ بھی اس کو چھپوالیں، لیکن میں ہمیشہ انکار کرتا رہا۔

بالآخر عزیز گرامی قدر مولانا مفتی محمود بارڈولی صاحب نے بہ اصرار وہ کاپی مجھ سے وصول کرہی لی اور اپنے طور پر اس کی طباعت کا انتظام کرلیا، جب وہ چھپ کر آئی اس کے ایک زمانہ بعد میری نظر سے گذری میں نے جب دیکھا تو اس میں مختلف حیثیتوں سے نقص اور سقم محسوس ہوا اور طباعت کی غلطیوں نے اس کو "ضِغْثٌ عَلٰی اِبَالَۃٍ" کا مصداق بنادیا، پھر بھی محبت کرنے والے اس کو شوق و رغبت سے

لیتے رہے، یہ ان کی محبت اور ذرہ نوازی کی بات تھی۔

ایک زمانے کے بعد عزیز مکرم مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب نے احقر کے سامنے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں اس پر حاشیہ تحریر کروں، چنانچہ ان کے شوق اور ولولے کو دیکھتے ہوئے اور اس لالچ میں کہ پہلی طباعت میں جو کمزوریاں رہ گئی تھیں وہ دور ہو جائیں گی ان کو اجازت دے دی، چنانچہ عزیز محترم نے چند ہی دنوں میں یہ کام مکمل کر کے مسودہ میرے پاس بھیج دیا تاکہ نظرثانی ہو جائے، لیکن میں اپنی کاہلی، سستی اور کچھ مصروفیات کی وجہ سے اس پر جلد نظرثانی نہ کر سکا۔

ایک صاحب نے اپنے ایک مضمون کا مسودہ برائے ملاحظہ ارسال فرمایا تھا اس کو دیکھ رہا تھا اس دوران مجھے یہ مسودہ یاد آ گیا اور اب تک اس پر نظرثانی نہ کرکے عزیز موصوف کے ساتھ جو بے اعتنائی ہوئی اس پر ندامت کا احساس ہوا، چنانچہ دوسرے ہی روز مسودہ ہاتھ میں لے کر نظرثانی کا کام مکمل کر لیا۔

عزیز موصوف نے احقر کے ساتھ محبت و تعلق کی بنیاد پر اس کتاب کے ساتھ جو اعتناء فرمایا اس پر دل سے ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت فرما کر تالیف و تصنیف کی مقبول خدمات کے لئے ان کو بے انتہا قبول فرمائے، آمین۔

املاہ العبد احمد خانپوری

۱۳/ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ

مقدمہ علم حدیث

ہر علم وفن کے شروع کرنے سے پہلے چند امور بطور مبادی[1] ومقدمہ[2] کے بیان کیے جاتے ہیں، جن کی وجہ سے اس علم وفن کی تحصیل میں طالب علم کے لیے سہولت پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ امور کل آٹھ ہیں، جن کو علماء ومناطقہ کی اصطلاح میں رؤس ثمانیہ[3] سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ آٹھ امور یہ ہیں:

1. ...علم کی تعریف۔
2. ...موضوع۔
3. غرض وغایت۔
4. ...سمت یعنی وجہ تسمیہ۔
5. ...مؤلف۔
6. ...اجمال۔
7. ...مرتبہ۔
8. تقسیم وتبویب۔

لیکن ہم مسلمانوں کیلئے ایک نواں امر بھی جاننا ضروری ہے اور وہ ہے اس کا شرعی حکم اور شریعت کے اعتبار سے اس کا مرتبہ کیا ہے؟ یا سنت ہے یا واجب؟ حلال ہے یا حرام؟ جائز ہے یا ناجائز؟ وغیرہ، مثلاً علم سحر حرام ہے اور علم قرآن وحدیث واجب ہے۔

---

[1] اَلْمَبَادِیْ هِیَ الْاَشْیَاءُ الَّتِیْ یَبْتَنِیْ عَلَیْهَا الْعِلْمُ۔ (مقدمۃ اعلاء السنن: ۲/۶۹)

[2] مُقَدِّمَةٌ مِنْ قَدَمٍ بِمَعْنٰی تَقَدُّمٍ وَهِیَ مَاخُوْذَةٌ مِنْ مُقَدِّمَةِ الْجَیْشِ، وَهِیَ نَوْعَانِ، مُقَدِّمَةُ الْعِلْمِ وَمُقَدِّمَةُ الْکِتَابِ۔ (المرآت للشیر کوہی ص:)

[3] اِعْلَمْ اَنَّ الْقُدَمَاءَ کَانُوْا یَذْکُرُوْنَ فِیْ مَبَادِی الْکُتُبِ اَشْیَاءَ ثَمَانِیَةً وَ یُسَمُّوْنَهَا الرُّؤُوْسَ الثَّمَانِیَةَ۔ (مرقاۃ ص ۶۲)

تعریف کا مقصد

تعریف کا مقصد اجمالی تعارف ہے، اگر کسی چیز کی تعریف نہ کی جائے تو وہ مجہول رہ جاتی ہے اور مجہول چیز کا حصول عقلاً محال ہے، اس لئے تعریف کے ذریعہ فن کو جہالت سے نکالنا مقصود ہوتا ہے۔

امرِ اوّل علمِ حدیث کی تعریف

پہلے زمانے میں محدثین کا دستور یہ تھا کہ احادیث کیف ما اتفق اور بلا کسی خاص ترتیب کے لکھا کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ یہ کرلیا کہ اگر کوئی لفظ محتاج تفسیر و قابلِ تشریح ہوتا تو اس کو حاشیہ پر تحریر کردیا کرتے تھے، اس کے بعد جب متاخرین کا دور دورہ ہوا تو انھوں نے اس کو مہذب بنایا، رواۃ کی چھان بین فرمائی، ضعیف رواۃ کو ثقہ رواۃ سے ممتاز فرمایا، اسی وجہ سے علمِ حدیث کی تعریف میں فرق و اختلاف ہوگیا، چنانچہ:

❶ متقدمین میں سے بعض نے کہا کہ علمِ حدیث ان قوانین کا نام ہے جن سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، احوال و افعال کی صحت و سقم معلوم ہو۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "شرح بیقونیۃ" میں علمِ حدیث کی تعریف اس طرح کی ہے:

"إِنَّ عِلْمَ الْحَدِيثِ عِلْمٌ بِقَوَانِيْنَ، أَيْ قَوَاعِدَ يُعْرَفُ بِهَا أَحْوَالُ السَّنَدِ وَالْمَتْنِ مِنْ صِحَّةٍ وَحُسْنٍ"[1]

علمِ حدیث ایسے قوانین کے جاننے کا نام ہے کہ ان سے سند و متن کے احوال یعنی صحت و سقم معلوم ہوں۔

---

[1] تدریب الراوی: ۴۲/۱.

یہی تعریف علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "الفیہ" میں کی ہے:

عِلْمُ الْحَدِيْثِ ذُوْ قَوَانِيْنَ تُحَدّْ
يُدْرٰى بِهَا اَحْوَالُ مَتْنٍ وَ سَنَدْ[1]

لیکن یہ تعریف اب مطلق علم حدیث کی نہ رہی، بلکہ اب یہ تعریف بھی ایک مستقل علم کی تعریف ہوگئی اور ایک مستقل اصطلاح بن گئی، جس کا نام اصول حدیث[2] ہے۔

❷ ..... دوسری تعریف یہ کی گئی ہے کہ: علم حدیث وہ علم ہے جس سے روایت کا درجہ معلوم ہو جائے، لیکن اب یہ تعریف بھی علم حدیث کی تعریف نہیں کہا جائے گی، بلکہ یہ ایک مستقل علم ہے جس کو علم علل حدیث کہا جاتا ہے۔

❸ ..... تیسری تعریف یہ کی گئی ہے کہ: علم حدیث وہ علم ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال واحوال کی شرح معلوم ہو، لیکن اب یہ تعریف درایت حدیث کی جاتی ہے مطلق علم حدیث کی نہیں، چونکہ علم حدیث کی ساتھ انواع ہو چکی ہیں، اس لئے ہر ایک کی تعریف الگ ہوگی۔ روایت حدیث اور ہے درایت حدیث اور، اسی طرح اصول حدیث اور ہے علل حدیث اور، اسی طرح اس کے علاوہ بھی کئی اقسام ہیں۔ اور یہ جو آپ پڑھیں گے وہ علم حدیث کی ساری انواع نہیں ہیں، بلکہ یہ صرف علم روایت حدیث ہے، جس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ:

علم روایتِ حدیث کی تعریف

وہ علم ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال معلوم

---

[1] مقدمہ اوجز: ۲/۱۔
ترجمہ: "علم حدیث ایسے قوانین ہوتے ہیں جن سے متن وسند کے احوال معلوم ہوتے ہیں۔"
[2] اصول حدیث کی ایک بہترین تعریف وہ ہے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے
"مَعْرِفَةُ الْقَوَاعِدِ الْمُعَرِّفَةِ بِحَالِ الرَّاوِيْ وَالْمَرْوِيْ" (تدریب: ۴۱/۱)

تعریف یوں کی:

"علمٌ يُعرفُ به أقوالُ رسولِ اللهِ صلّى اللهُ عليه وسلّم وأفعالُه وأحوالُه"[1]

ایک اشکال اور اس کے تین جواب

اب یہاں پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اقوال وافعالِ صحابہ وتابعین پر بھی تو حدیث کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ "مصنف ابن أبي شيبة" اور "مصنف عبدالرزاق" میں احادیثِ مرفوعہ کے مقابلے میں صحابہ وتابعین کے اقوال وافعال بہت زیادہ ہیں، باوجود اس کے ان کتب کو بھی احادیث کے ذخیرہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (اس اشکال کے کئی جوابات ہیں)

جوابِ اوّل: صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ مدرک بالقیاس ہوں گے، یا غیر مدرک بالقیاس، اگر غیر مدرک بالقیاس ہیں تو وہ احادیث مرفوعہ کے حکم میں ہیں اور جو حیثیت مرفوعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو ہے وہی ان کو بھی ہوگا اور اگر وہ مدرک بالقیاس ہوں تو ان کو احادیث مرفوعہ اور اقوال شریفہ پر پرکھا جائے۔[2]

جوابِ دوم: بعض حضرات نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ صحابہ وتابعین کے جو اقوال وغیرہ احادیث کے موجودہ ذخیرہ میں پائے جاتے ہیں وہ صرف اس وجہ سے ملتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقل اور صحابی ہیں تو گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کی وجہ سے تبعاً ان کے اقوال نقل ہوئے ہیں، یہاں جن

---

[1] عمدة القاري ۱/۱۱، والكرماني ۱/۲

[2] غیر مدرک بالقیاس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عقل سے قیاس کرکے نہیں پایا جا سکتا، لہٰذا صحابہ کرام وتابعین نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے حاصل کیا ہے، اگرچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہیں کی۔

کتابوں میں احادیث موقوفہ موجود ہیں اور ان میں حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال و افعال شامل ہیں اس کا نام حدیث رکھنا صحیح نہیں، بلکہ اس کا نام محدثین کے نزدیک علم الآثار ہے۔

جوابِ سوم: اور بعض لوگوں نے اس اشکال سے بچنے کے لئے سرے سے تعریف ہی بدل دی اور اس طرح تعریف کی کہ علم حدیث وہ علم ہے جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، احوال اور صحابہ و تابعین کے اقوال، افعال اور احوال معلوم ہوں، چنانچہ "فتح الباقی شرح الفیۃ العراقی" میں ہے

قَالَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ:

"الْحَدِيثُ وَيُرَادِفُهُ الْخَبَرُ عَلَى الصَّحِيحِ مَا أُضِيفَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيلَ أَوْ إِلَى صَحَابِيٍّ أَوْ إِلَى مَنْ دُونَهُمْ قَوْلًا أَوْ فِعْلًا أَوْ تَقْرِيرًا أَوْ صِفَةً. وَيُعَبَّرُ عَنْ هَذَا بِعِلْمِ الْحَدِيثِ وَيُحَدُّ بِأَنَّهُ عِلْمٌ يَشْتَمِلُ عَلَى نَقْلِ ذَلِكَ
وَقَالَ الْأَجْهُورِيُّ فِي "حَاشِيَتِهِ عَلَى شَرْحِ الْبَيْقُونِيَّةِ":
وَعِلْمُ الْحَدِيثِ أَيْ رِوَايَةً."[۱]

موضوع کا مقصد

۱ موضوع کے ذریعے فنون کا آپس میں امتیاز ہوتا ہے۔

۲ ... فن کی شرافت و عظمت موضوع کے ذریعہ ہوتی ہے، اس لئے موضوع جتنا اونچا ہوگا فن بھی اتنا ہی اونچا ہوتا ہے۔

امرِ ثانی: موضوع

عام طور پر علماء نے حدیث کا موضوع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو

---

[۱] فتح الباقی ج ۱ ص ۳

[۲] وَالْمَوْضُوعُ: مَا يُبْحَثُ فِي ذَاتِ الْعِلْمِ عَنْ عَوَارِضِهِ الذَّاتِيَّةِ. (اعلاء السنن ص ۲۲، ۱۹)

لکھا ہے[1] کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ذات سے ہی اس فن میں بحث کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا یہ سب امور کیسے اور کس طریقہ سے ہوتے تھے۔

لیکن جلیل القدر محقق علامہ محی الدین کافیجی[2] رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس پر یہ اعتراض ہے کہ آدمی کی ذات تو علم طب کا موضوع ہے، لہٰذا حدیث کے موضوع کے ساتھ طب کا موضوع کیسے خلط ہوگیا؟ یہ اعتراض اگرچہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اہمیت اس لئے نہیں رکھتا کہ علم طب کا موضوع بدن انسان ہے جو عام ہے اور حدیث کا موضوع ذات رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے جو اس کا ایک فرد ہے۔

لیکن علماء نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہاں حیثیت کی قید محذوف ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک علم حدیث کا موضوع ہے اس حیثیت سے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس توجیہ سے دونوں علوم کے موضوع میں تمایز ہوگیا۔[3]

"قَالَ السُّيُوطِيُّ: وَلَمْ يَزَلْ شَيْخُنَا الْعَلَّامَةُ مُحْيِ الدِّيْنِ الْكَافِيْجِيُّ يَتَعَجَّبُ مِنْ قَوْلِهِ: أَنَّ مَوْضُوْعَ عِلْمِ الْحَدِيْثِ ذَاتُ الرَّسُوْلِ وَيَقُوْلُ هٰذَا مَوْضُوْعُ الطِّبِّ لَا مَوْضُوْعُ الْحَدِيْثِ، وَأَنَا أَتَعَجَّبُ مِنَ الْكَافِيْجِيِّ كَيْفَ الْتَبَسَ عَلَيْهِ ذٰلِكَ بِالطِّبِّ، فَإِنَّ ذَاتَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ نَبِيٌّ أَوْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا مَدْخَلَ لِلطِّبِّ فِيْ ذٰلِكَ، نَعَمْ لَوْ تَعَجَّبَ مِنْ أَنَّ هٰذَا مَوْضُوْعٌ لِمُطْلَقِ عِلْمِ الْحَدِيْثِ الْجَامِعِ لِأَنْوَاعِهِ كَانَ وَجِيْهًا، أَمَّا الْمَخْصُوْصُ بِعِلْمِ

---

[1] الکرمانی: ۱/۱۲۔

[2] اَلْكَافِيْجِيُّ بِكَسْرِ الْفَاءِ نِسْبَةٌ إِلَى كَافِيَةِ ابْنِ الْحَاجِبِ لِكَثْرَةِ قِرَاءَتِهِ وَ إِقْرَائِهِ لَهَا. (حاشیہ تدریب الراوی: ۱/۲۶)

[3] تدریب الراوی: ۱/۲۶۔

الرِّوَايَةِ فَيَكُوْنُ مَوْضُوْعُهُ أَيْضًا مَخْصُوْصًا، فَقِيْلَ مَوْضُوْعُهُ ذَاتُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَيْثُ أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ وَتَقْرِيْرَاتِهِ وَأَوْصَافِهِ كَذَا فِي الدُّرَرِ، وَالْأَوْجَهُ عِنْدِيْ أَنَّ مَوْضُوْعَهُ الْمَرْوِيَّاتُ وَالرِّوَايَاتُ مِنْ حَيْثُ الْاِتِّصَالِ وَالْاِنْقِطَاعِ، وَأَمَّا ذَاتُهُ الشَّرِيْفَةُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَوْضُوْعٌ لِمُطْلَقِ عِلْمِ الْحَدِيْثِ دُوْنَ النَّوْعِ الْخَاصِ مِنْهُ وَهُوَ عِلْمُ رِوَايَةِ الْحَدِيْثِ"[1]

اس مقام پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جس طرح حدیث کی تعریف میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وافعال شامل ہیں اور ان سے بحث کی جاتی ہے، ایسے ہی موضوع کے اندر بھی یہ اقوال وافعال شامل ہونے چاہئیں۔

بعض محدثین نے اس اعتراض کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وافعال کو بھی موضوع میں شامل کرلیا اور بعض دوسرے محدثین نے یہ جواب دیا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وافعال سے جو بحث کی جاتی ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کی نسبت سے کی جاتی ہے تو گویا اس نسبتِ نبوی کی وجہ سے ان حضرات کے اقوال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات شریفہ میں سے ہوگئے۔

اسی قسم کا اعتراض پہلی بحث میں تعریف پر بھی آچکا ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ جو محدثین موضوع کی تبدیلی کے قائل ہیں ان کی تعداد کم ہے اور وہاں جن محدثین نے اعتراض سے بچنے کے لئے تعریف میں ردوبدل کردیا ان کی جمعیت زیادہ ہے۔

غرض وغایت سے مقصود

انسان غرض کا بندہ ہے جب تک ثمرہ معلوم نہ ہو وہاں تک دلچسپی نہیں لیتا۔

[1] مقدمہ، اوجز ص۷، الفائدۃ الثانیۃ: فی موضوعہ۔

امر ثالث غرض وغایت

غرض کہتے ہیں اس مقصد اور نتیجہ کو جس کے حاصل کرنے کے لئے کوئی فعل کیا جائے، مثلاً بازار جاکر کوئی چیز خریدنا اور غایت وہ نتیجہ ہے جو اس پر مرتب ہو، لہٰذا بازار کسی شئی کو خریدنے کے لئے جانا تو غرض ہے اور اس شئی کا خریدنا غایت ہے۔

تو غرض وغایت دونوں مصداق کے اعتبار سے ایک ہیں صرف ابتدا اور انتہا کا فرق ہے، چنانچہ عقلاء اور سمجھدار لوگوں کے نزدیک غرض وغایت ایک ہی ہے، کیونکہ ان کے یہاں اکثر غرض پر غایت مرتب ہوتی ہے، بخلاف بیوقوفوں واحمقوں کے کہ ان کے یہاں غرض پر غایت بہت کم مرتب ہوتی ہے، مثلاً دہلی جانا یہ تمہاری غرض ہے تو اگر تم ہوشیار ہو تو اس سڑک سے جاؤ گے جو دہلی جاتی ہے، اس صورت میں یقیناً دہلی پہنچ جاؤ گے اور اگر بیوقوفی کی وجہ سے بجائے دہلی کی سڑک اختیار کرنے کے بمبئی کی طرف نکل پڑے تو غرض (دہلی جانا) تو موجود ہے لیکن راستہ غلط اختیار کرنے کی وجہ سے غایت مرتب نہ ہوگی۔

روایت حدیث، پہلی غرض

اب علم حدیث کی غرض وغایت کیا ہے؟ علماء اہل فن فرماتے ہیں کہ علم حدیث کی غرض وہ دعائیں اور فضیلتیں حاصل کرنا ہے جو حدیث پڑھنے پڑھانے والوں کیلئے احادیث میں وارد ہوئی ہیں، مثلاً حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ"[1]

اس قسم کی اور سینکڑوں دعائیں مذکور ہیں، لیکن اس جسم میں علماء کا اختلاف

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب العلم، الفصل الثانی، ص ۳۵

ہو رہا ہے کہ یہ جملہ دعائیہ ہے یا خبریہ؟ کوئی بھی ہو دونوں ایک سے ایک بڑھ کر ہے، اگر دعائیہ ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا کیا پوچھنا، سرتاپا خیر ہی خیر ہے اور اگر جملہ خبریہ ہے تو اشکال ہوتا کہ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ حدیث پاک کی خدمت میں مشغول ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ پژمردہ اور غمزدہ رہتے ہیں، لہٰذا یہ خبر اس پر کیوں صادق آئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ ظاہر بین ہیں اور آخرت سے بے بہرہ ہیں ان کے نزدیک تو فقر و فاقہ بربادی اور مشکلات کا سبب ہے، لیکن فقر و فاقہ حقیقت میں بربادی کا سبب نہیں، ورنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فقر و فاقہ کو اپنے ارادہ سے کیوں اختیار فرماتے[2] جو لوگ اس میں مبتلا ہیں وہی اس کی لذت جانتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے:

"اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِيْ قِيْلَ وَمَنْ خُلَفَاؤُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ الَّذِيْنَ يَرْوُوْنَ أَحَادِيْثِيْ وَيُعَلِّمُوْنَهَا النَّاسَ"[3]

---

[1] مرقاۃ المفاتیح: ۱/۲۸۸.

[2] قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّيْ لِيَجْعَلَ لِيْ بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا يَا رَبِّيْ وَلٰكِنْ أَشْبَعُ يَوْمًا وَأَجُوْعُ يَوْمًا الخ. (مشكوة، كتاب الرقاق، الفصل الثاني)

[3] اس روایت کو طبرانی نے "اوسط" میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے۔

(مجمع الزوائد، كتاب العلم، باب فضل العلماء ومجالستهم، ص۱۲۶ ج۱)

وَأَخْرَجَهُ أَبُوْ نُعَيْمٍ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْحَافِظُ مِنْ طَرِيْقِ الطَّبَرَانِيِّ هٰذَا فِيْ أَخْبَارِ أَصْبَهَانَ ۱/۸۸، وَالْغَزَالِيُّ فِي الْإِحْيَاءِ ۱/۱۱، وَالسُّيُوْطِيُّ فِيْ مِفْتَاحِ الْجَنَّةِ

علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں [illegible] سے یہ روایت نقل کی ہے:

"اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِيْ، الَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ، الَّذِيْنَ يَرْوُوْنَ أَحَادِيْثِيْ وَسُنَّتِيْ وَيُعَلِّمُوْنَهَا النَّاسَ" (فيض القدير ۲/۱۸۸ رقم الحديث ۱۵۲۲)

اس حدیث کو بعض محدثین نے ضعیف بلکہ بعض نے موضوع قرار دیا ہے، لیکن قاضی عیاض رحمہ

یعنی قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجتے ہیں۔ ابن حبان اپنی صحیح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مصداق محدثین حضرات ہیں، اس لئے کہ اس امت میں کوئی جماعت ان سے بڑھ کر درود بھیجنے والی نہیں ہے۔[2] اس کے علاوہ اور بہت سی روایتیں ہیں جو "مشکوٰۃ" میں آپ پڑھیں گے۔

دوسری غرض

علماء نے علم حدیث کی دوسری غرض یہ بیان فرمائی ہے کہ دین کا مدار علم حدیث پر ہے، کیونکہ اصل دین یعنی قرآن پاک تو مجمل ہے اس کی تبیین اور توضیح کی ضرورت ہے اور وہ احادیث سے متعلق ہے۔ قرآن پاک میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم تو ہے لیکن ان کی رکعات و مقدار وغیرہ کی تفصیل یہ سب احادیث سے ثابت ہیں۔ اس لئے یہ غرض بھی سب سے اہم ہے، کیونکہ قرآن پاک اصل دین اور مدار شریعت ہے اور اس کی شرح حدیث پاک ہے تو بغیر شرح کے متن کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے حدیث کا پڑھنا اہم ہو گیا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے

"لَوْلَا السُّنَّةُ لَمَا فَهِمَ الْقُرْآنَ أَحَدٌ مِّنَّا"[3]

تیسری غرض

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بتلائی کہ

---

[1] [illegible] مشكوة، باب الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم وفضلها الفصل الثاني.

[2] قال ابن حبان عقب هذا الحديث في هذا الخبر بيان صحيح على أن أولى الناس برسول الله صلى الله عليه وسلم في القيامة يكون أصحاب الحديث إذ ليس في هذه الأمة قوم أكثر صلوة عليه منهم. (مرقاة [illegible])

[3] الميزان الكبرى للشعراني، ص[illegible]

اگر علم حدیث پڑھنے پڑھانے سے خواہ کوئی فائدہ نہ ہو اور خواہ کوئی بھی ثواب نہ ملے تب بھی اس کے پڑھنے کے لئے ایک غرض یہ کافی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ ہم محب رسول ہیں اور آپ سے سچی محبت کے دعویدار ہیں، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو محض اس لئے پڑھنا چاہئے کہ ایک محبوب کا کلام ہے اور جب اس کو محبت کے ساتھ پڑھا جائے گا تو ایک قسم کی لذت، حلاوت، رغبت پیدا ہوگی، جیسے اگر کوئی عشق میں پھنسا ہوا ہو اور اس کے معشوق کا خط آ جائے تو اگر وہ حدیث پاک کے سبق میں بھی ہوگا تو اس کو پہلے پڑھے گا اور کھانے کے درمیان آ جائے تو کھانا بند کر دے گا۔ دورِ نماز کے اوقات میں جیب ہی پر نظر رہے گی۔ جب اس ناپاک کے خط کو پڑھنے کا اتنا شوق و ذوق ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تو اس سے بدرجہا قابلِ صد احترام ہے۔[1]

چوتھی غرض

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ: غور و فکر سے جانچنے اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر علم کی ایک خاصیت ہوتی ہے اور جس علم سے وابستگی کی وجہ سے نفسِ انسانی میں ایک خاص کیفیت خواہ بری ہو یا بھلی پیدا ہو جاتی ہے۔

علم حدیث سے وابستگی اور مزاولت انسان میں صحابیت کی شان پیدا کر دیتی ہے۔[2] چونکہ صحابیت کے معنی دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ احوال سے واقفیت اور عبادات و عادات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوضاع و اطوار کا مشاہدہ کرنے کے ہیں اور یہ بات اعتماد و زمانہ کی وجہ سے اس شخص کی قوت مدرکہ اور تخیلہ میں جو اس سے وابستگی رکھتا ہے ایسی جم جاتی ہے اور راسخ ہو جاتی ہے کہ مشاہدہ کے

---

[1] تقریر بخاری: ۱/۷

[2] عجالہ نافعہ: ص ۳

نظر میں ہوتی ہے، چنانچہ حسب ذیل شعر میں اس طرف اشارہ ہے ؎

أَهْلُ الْحَدِيْثِ هُمْ أَهْلُ النَّبِيِّ وَإِنْ
لَمْ يَصْحَبُوْا نَفْسَهُ وَأَنْفَاسَهُ صَحِبُوْا

یعنی محدثین ہی اہل نبی ہیں اور انہیں گو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل نہیں مگر آپ کے انفاس قدسیہ کے ساتھ شرف صحبت حاصل ہے۔

یہاں تک تم کو تین امور معلوم ہو گئے، علم حدیث کی تعریف جس کا خلاصہ تدبر ہے اور علم حدیث کا موضوع جس کا خلاصہ عظمت ہے اور علم حدیث کی غرض و غایت جس کا خلاصہ لذت ہے، تو جب تم حدیث پڑھو تو تدبر، عظمت اور لذت کے ساتھ پڑھو گے تو اس پر غایت مرتب ہوگی اور اگر توجہ اور التفات سے نہ پڑھو گے تو محرومی ہے۔ (العیاذ باللہ)

امر رابع وجہ تسمیہ

اس علم کا نام علم حدیث ہے اور اس کی وجہ تسمیہ میں دو قول ہیں:

اول یہ کہ حدیث، حادث کے معنی میں ہے[1] اور اس معنی کے لحاظ سے اس علم کو حدیث اس وجہ سے کہتے ہیں کہ کلام کی دو قسمیں ہیں: ایک قدیم وہ تو قرآن ہے اور اللہ کا کلام ہے، جو اس کی صفت ہے اور جب ذات باری تعالیٰ قدیم ہے تو اس کی صفت بھی قدیم ہوگی۔

دوسری قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے، لا محالہ یہ حادث ہوگا، اس لئے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حادث ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بھی حادث

---

[1] وَالْحَدِيْثُ فَأَصْلُهُ ضِدُّ الْقَدِيْمِ، وَقَالَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ ابْنُ حَجَرٍ فِيْ شَرْحِ الْبُخَارِيِّ: اَلْمُرَادُ بِالْحَدِيْثِ فِيْ عُرْفِ الشَّرْعِ "مَا يُضَافُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" وَكَأَنَّهُ أُرِيْدَ بِهِ مُقَابَلَةُ الْقُرْآنِ لِأَنَّهُ قَدِيْمٌ. (تدريب الراوي: ۱/۲۳)

ہوگی۔ ان کے علاوہ اور کوئی علم بے عل نہیں۔

اب یہاں پر کوئی یہ اشکال کر سکتا ہے کہ حنفیہ کے یہاں تو فقہ بہت اونچا سمجھا جاتا ہے جو بظاہر ان دونوں علوم سے الگ تھلگ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ قرآن و حدیث سے الگ کوئی چیز نہیں، بلکہ یہ درایت حدیث ہے کہ ہر ایک مجتہد نے مختلف احادیث کے مجموعہ سے کوئی حدیث لے کر اس کی سند حذف کر کے لکھ دیا کہ یہ معمول بہا ہونا چاہئے۔ دوسرے مجتہد نے دوسری حدیث کو راجح سمجھ کر اس کو معمول بہا بنا دیا۔ تو درحقیقت فقہ قرآن و حدیث سے الگ چیز نہیں ہوئی۔

جو لوگ احناف پر اعتراض کرتے ہیں وہ یا تو لاعلمی کی وجہ سے کرتے ہیں یا تجاہل عارفانہ[1] برتتے ہیں۔ علم فقہ قرآن و حدیث کے معارض و منافی نہیں بلکہ علم فقہ ان دونوں کا خلاصہ ہے۔ فقہاء نے غور و فکر کر کے قرآن و حدیث کے مسائل کو آسانی کے واسطے ایک جگہ جمع کر دیا جس کا نام علم فقہ ہو گیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

"جَمِيعُ مَا تَقُولُهُ الْأَئِمَّةُ شَرْحٌ لِلسُّنَّةِ، وَجَمِيعُ تَقُولُهُ السُّنَّةُ شَرْحٌ لِلْقُرْآنِ"[2]

اور فقہاء نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ ایک عالم دین کو تو حدیث سے مسئلہ مل جائے گا، مگر عامی شخص کو نہیں ملے گا، جیسے حدیث میں بحالت صوم اپنی بیوی کا بوسہ لینے کی اجازت بھی ہے اور ممانعت بھی۔[3] یہاں عامی کیا کر سکتا ہے اس کے سامنے تو

---

[1] تجاہل عارف: یہ علم بدیع کی محسنات معنویہ کی ایک قسم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ متکلم کو ایک وجہ معلوم ہے لیکن تعجب، تعریف، ذم، ذات یا انکار کے لئے اس وجہ سے ناواقفیت کا اظہار کر رہا ہے۔ (دیکھئے "تحفۃ الطلبۃ" ص ۳۰۴)

[2] مقدمۃ التعلیق الصبیح ۱/۳۔

[3] أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُ فِي شَهْرِ الصَّوْمِ (ترمذی) وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ فِي

مسائل کی شکل وہ ہونی چاہیئے جس پر وہ عمل کر سکے چنانچہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ نے غور وفکر کرکے بتلایا کہ حدیثِ نہی جوان کے لئے ہے اور حدیثِ اباحت بوڑھے کے لئے، کیونکہ جوان بے قابو ہوسکتا ہے مگر بوڑھا نہیں ہوگا۔

یہی حال علم تفسیر کا ہے کہ وہ بھی قرآن پاک کی شرح ہے۔ اسی طرح اصول فقہ مستقل کوئی فن نہیں، بلکہ اس میں فقہ کے دلائل مذکور ہیں۔

قرآن حدیث فقہ

حدیث شریف قرآن کی تفسیر ہے اور فقہ کا متن ہے گویا کہ حدیث شریف شرح بھی ہے اور متن بھی ہے۔ شرح اس طریقہ سے ہے کہ باری تعالیٰ نے دو باتوں کی ذمہ داری لی ہے:

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾[1]

اس ذمہ داری سے معلوم ہوا کہ جب تک اللہ تعالیٰ نہ بتاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم نہیں ہوتا اور اس کلام کی عظمت وجلالت پر باری تعالیٰ پردہ نہ ڈالتے تو تحمل کسی کے بس میں نہیں تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام دوسرے عالم کا ہے۔ دنیا میں ملکوں کے بدلنے سے زبانیں بدلتی ہیں اور تکلم دشوار ہوجاتا ہے اور یہ تو دوسرے عالم کا کلام ہے اس لئے آسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو وحی کے نزول سے قبل عالم

الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ، فَرَخَّصَ بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقُبْلَةِ لِلشَّيْخِ وَلَمْ يُرَخِّصُوْا لِلشَّابِّ. (ترمذی، باب ماجاء فی القبلة للصائم: ۱/۱۵۲)

ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں مباشرت کے متعلق یہ صراحت آئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اجازت دی دوسرے کو منع فرمایا، جنہیں اجازت دی وہ بوڑھے تھے اور جنہیں منع فرمایا وہ جوان تھے۔ (مشکوٰۃ، کتاب الصوم، باب تنزیه الصوم، الفصل الثانی: ص۱۷۶)

[1] سورۂ قیامۃ، آیت نمبر ۱۷ و ۱۸، پ ۲۹۔

بالا سے تعلق کی مشق کروائی جاتی ہے، جیسے عالم بالا کے تصرفات سے خواب کا آنا، فرشتوں سے انسیت پیدا کرنے کے لئے روشنی کا نظر آنا وغیرہ[1]

لہٰذا اس قرآن کا صحیح مصداق ومعنی جب تک رسول نہ بتائے معلوم نہیں کرسکتے تھے، جیسے رکوع وسجود کی کیفیت وغیرہ، لہٰذا قرآن کی تشریح فعل رسول سے ہوئی۔ معلوم ہوا قرآن وحدیث کا تعلق ایسا ہے جیسے جڑ اور تنا۔ قرآن جڑ ہے اور حدیث شریف تنا ہے اور اس تنے پر جو شاخیں اور پتے لگے ہوتے ہیں وہ فقہ ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ قرآن کے بغیر حدیث اور حدیث کے بغیر فقہ بے بنیاد ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ حال تھا کہ وہ حیثیت کو نہیں دیکھتے تھے، بلکہ عمل کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ بعد میں جب امت میں کاہلی اور تعیش کا اضافہ ہوا تو فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اعمال کی حیثیات مرتب کیں، مثلاً واجب، مستحب وغیرہ اور سیاق وسباق کو دیکھ کر جو قوانین تیار کئے ان کو اصول فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تقلید ائمہ کیوں؟

قرآن وحدیث جو کہ احکام کے لئے سرچشمہ ہیں۔ اس میں بعض وہ احکام ہیں جو بالکل واضح اور صریح ہیں ان میں کوئی تعارض اور اجمال نہیں، اس لئے ان مسائل میں اجتہاد کا سوال نہیں، البتہ بعض وہ ہیں جن میں اجمال وتعارض اولہ ہے، جیسے قرآن کریم میں لفظ "قروء"[2] استعمال ہوا ہے۔ اس کے لغت میں معنی حیض اور طہر دونوں ہیں، اب ایسے موقع پر انسان یا تو خود اپنی رائے اور ارادہ سے کوئی فیصلہ کرکے اس پر عمل کرلے یا پھر کہ اسلاف میں جس کے علم اور تقویٰ پر اعتماد ہو ان کے فیصلے پر عمل کیا جاوے۔ پہلی صورت تو نہایت خطرناک اتباع ہوئی سے لبریز ہے۔

[1] علوم القرآن، ص ۳۹۔

[2] سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۲۲۸، پ ۲۔

اس میں گمراہی غالب ہے۔ البتہ دوسری صورت کہ اسلاف میں سے جس کا تقویٰ، علم، تفقہ ہم سے بہت آگے ہو اور دورِ رسالت سے قریب تر زمانہ جس نے پایا ہو ان کی پیروی کرنا۔ اس کو دوسرے لفظوں میں تقلیدِ ائمہ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ پر امن راستہ ہے، چونکہ ان اسلاف کا قوت حفظ، علم و فضل، روایات پر وسعت نظر، نزولِ قرآن کا زمانہ و ماحول، سنت کے ارشادات کا پسِ منظر اور کلامِ عرب کی صحیح واقفیت ہم سے کئی گنا زیادہ تھی، نیز حقائق و معارف کے انکشاف کے لئے جس تقویٰ کی ضرورت ہوتی ہے ان میں بطریقہ اتم تھا، اس لئے ان کے فیصلوں پر عمل ہی زیادہ مناسب ہے۔

دوسری وجہ تسمیہ

یہ بتائی گئی ہے کہ حدیث کے معنی "بات" کے ہیں اور چونکہ یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہیں اس لئے ان کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اس پر یہ اشکال ہے کہ احادیث میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کہاں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واحوال بھی مذکور ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال وافعال کو تغلیباً احادیث کہا جاتا ہے۔

تیسری وجہ تسمیہ

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقدمہ "فَتْحُ الْمُلْہِم"[1] میں بتلائی ہے کہ

علم حدیث کا یہ نام آیت کریمہ ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ سے ماخوذ ہے، اس لئے کہ سورۂ ضحیٰ میں پہلے باری تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے بڑے اور اہم انعامات واحسانات شمار فرمائے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یتیم

[1] فتح الملهم: ۱/۱۔

ہونے کے بعد آپ کو پناہ دینا اور فقیر ہونے کے بعد غنی کرنا اور ان شرائع و احکام سے (جن کا ادراک عقل خود نہیں کر سکتی) بے خبری کے بعد ان سے آگاہ و ہدایت یافتہ کر دینا، کما قال تعالیٰ:

﴿وَمَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ﴾ الخ[1]

پھر ان تین انعامات پر تین امور کو مرتب فرمایا یعنی "نَهْيٌ عَنْ قَهْرِ الْيَتِيمِ، نَهْيٌ عَنْ نَهْرِ السَّائِلِ اور أَمْرٌ بِتَحْدِيثِ النِّعْمَةِ" اور اولیٰ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ترتیب بطریق لف ونشر مشوش ہے نہ بطریق لف ونشر مرتب، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ آپ یتیم، بے خبر اور فقیر تھے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو پناہ دی اور باخبر و ہدایت یافتہ فرمایا اور غنی کر دیا۔ اب جبکہ ایسا ہی ہو تو آپ اپنے اوپر اللہ کے ان تین انعامات کو فراموش نہ فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کی اقتدا کیجئے، پس آپ بھی یتیم پر مہربانی کیجئے، سائل پر ترس کھائیے، اس لئے کہ آپ یتیمی اور فقیری کا مزہ چکھ چکے ہیں اور قول باری تعالیٰ ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ جو مقابلہ میں ہے ﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ﴾ کے، یعنی اس بڑی نعمت (جو ہدایت بعد الضلال ہے جس کے مقابلہ میں گویا کوئی نعمت نہیں) کا حق یہ ہے کہ آپ اس واقعہ کو بندوں کے سامنے بیان فرمائیں اور اس کو ان میں پھیلا کر اور ان کی طرف جو بھیجا گیا وہ ان کے سامنے کھول کر واضح فرمائیں۔

اور ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال جن کو ہم حدیث سے تعبیر کرتے ہیں یہ سب اسی ہدایت کی تشریح و تفصیل ہیں جس سے باری تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا۔[2]

---

[1] سورۃ شوریٰ، آیت نمبر ۵۲، پ ۲۵

[2] فتح الملہم ۱/۱

ہے[1]، یعنی طور کہ حدیث تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور خبر کا اطلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اخبارِ ملوک پر بھی ہوتا ہے۔ اخبارِ ملوک کو اخبار ہی کہہ سکتے ہیں حدیث نہیں کہہ سکتے اور خبر کے عموم ہی کی وجہ سے یہ اخبارات جو شائع ہوتے ہیں ان کو اخبار کہا جاتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر لفظ خبر کے اطلاق کی وجہ اس کا معنی لغوی ہے (یعنی وہ بات کے معنی میں ہے) تو کلام بھی تو بات کے معنی میں ہے لہٰذا حدیث کو کلام کیوں نہیں کہتے؟ جواب یہ ہے کہ کلام تو خبر و حدیث دونوں سے عام ہے، مگر چونکہ عرف نے لفظ کلام کو ایک خاص فن وعلم یعنی عقائد کے ساتھ خاص کر دیا ہے، اس لئے اس کا اطلاق بخوفِ التباس حدیث پر نہیں کیا جاتا۔

امرِ خامس "مؤلف"

مؤلف دو ہوتے ہیں: ایک مؤلفِ فن دوسرے مؤلفِ کتاب۔ یہاں مؤلفِ فن یعنی اس فن کے موجد اور بانی کو ذکر کرنا ہے، اس لئے کہ یہ مقدمۃ العلم ہے اور مؤلفِ کتاب کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

عام طور سے مشہور ہے کہ حدیث کی تدوین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ایک سو برس بعد ہوئی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث کی تالیف اس زمانے میں ہوئی، بلکہ اس کی تالیف اور یادداشت وغیرہ تو خود حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی، چنانچہ سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کا ایک مجموعہ تھا[2] جو انہوں نے اپنے بیٹے کے نام لکھا تھا۔

---

[1] اَلْخَبَرُ عِنْدَ عُلَمَاءِ هٰذَا الْفَنِّ مُرَادِفٌ لِلْحَدِيْثِ، وَقِيْلَ بَيْنَهُمَا عُمُوْمٌ وَ خُصُوْصٌ مُطْلَقًا، فَكُلُّ حَدِيْثٍ خَبَرٌ مِنْ غَيْرِ عَكْسٍ. (شرح نخبة الفكر، ص ۸)

[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ سلیمان بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد سمرۃ

اس مجموعہ کی چھ احادیث امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن میں روایت کی ہیں اور جہاں کہیں بھی اس مجموعہ کی کوئی حدیث "ابوداؤد" میں آئی ہے اس کے ابتداء میں یہ الفاظ ہوتے ہیں "أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" یا "أَمَّا بَعْدُ قَالَ" وغیرہ الفاظ ہوتے ہیں۔[1]

اور اس مجموعہ کی سو کے قریب احادیث "مسند بزار" میں ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سے ایسے مجموعے تھے جو خود حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اپنے طور پر قلمبند کر رکھے تھے۔ "بخاری" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ کسی کے پاس مجھ سے زیادہ نہ تھیں، وجہ یہ تھی وہ احادیث لکھ لیا کرتے تھے اور میں زبانی یاد کر لیا کرتا تھا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتابت حدیث کی اجازت لے لی تھی۔[2]

بن جندب سے ایک بڑا نسخہ روایت کیا ہے: "رَوَى عَنْ أَبِيهِ نُسْخَةً كَبِيرَةً" (تہذیب التہذیب، ص۴/۱۹۸)

ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "أَنَّ الرِّسَالَةَ الَّتِي كَتَبَهَا سَمُرَةُ لِأَوْلَادِهِ يُوجَدُ فِيهَا عِلْمٌ كَثِيرٌ" (اسد الغابة: ۲/۳۵۴)

[1] ابوداؤد شریف کی ان حدیثوں کے حوالہ جات یہ ہیں:

1. (۱/۶۶، بَابُ اتِّخَاذِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ، كِتَابُ الصَّلٰوةِ، (رقم الحديث ۴۵۶)
2. (۱/۱۴۰، بَابُ التَّشَهُّدِ، كِتَابُ الصَّلٰوةِ (رقم الحديث ۹۷۵)
3. (۱/۲۰۸، بَابُ الْعُرُوضِ إِذَا كَانَتْ لِلتِّجَارَةِ هَلْ فِيهَا زَكٰوةٌ، كِتَابُ الزَّكٰوةِ (رقم الحديث ۱۵۶۲)
4. (۲/۳۴۶، بَابٌ فِي النِّدَاءِ عِنْدَ النَّفِيرِ يَا خَيْلَ اللّٰهِ ارْكَبِي، كِتَابُ الْجِهَادِ (رقم الحديث ۲۵۶۰)
5. (۲/۱۵، بَابُ النَّهْيِ عَنِ السَّتْرِ عَلَى مَنْ غَلَّ، كِتَابُ الْجِهَادِ (رقم الحديث ۲۷۱۶)
6. (۲/۲۹، بَابٌ فِي الْإِقَامَةِ بِأَرْضِ الشِّرْكِ، كِتَابُ الْجِهَادِ (رقم الحديث ۲۷۸۷)

[2] "مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ (أَيِ النَّبِيِّ

یہ صحیفہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وفات پر ان کے پوتے شعیب بن محمد بن عبداللہ کو ملا تھا۔[1] اور شعیب سے ان کے صاحبزادے عمرو روایت کرتے ہیں۔

کتب احادیث میں "عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ" کی سند سے جو حدیث آتی ہے وہ اسی مجموعہ "الصادقة" کی ہوتی ہے۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض وسنن اور دیت کے مسائل پر مشتمل ایک تحریر لکھوا کر عمرو بن حزم صحابی کے ہاتھ اہل یمن کے پاس بھیجی تھی۔[3] اس نوشتہ کے بعض اجزاء حدیث وسیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں "مستدرک حاکم" میں اس کتاب کی (۲۳) حدیثیں منقول ہیں۔

اس کے علاوہ ایک نوشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وائل بن حجر کے نام روانہ فرمایا تھا، جس کی حدیثیں "مُصَنَّفُ ابْنِ أَبِي شَيْبَة" میں ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں۔

ان کے علاوہ دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اپنے طور پر تحریری شکل دے کر قلم بند کر رکھے تھے۔ لہٰذا حدیث کی کتابت اور جمع و تدوین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں ہو چکی تھی، البتہ کتابی شکل میں اور تصنیف کی شکل میں یہ ذخیرہ بعد میں منتقل ہے

---

[1] تہذیب التہذیب: ۸/۴۹.

اور ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حافظ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ سے جدا جدا نقل کیے ہیں کہ وَجَدَ شُعَيْبٌ كُتُبَ عَبْدِ اللهِ ... اس میں شعیب ... ان کو صرف ایک ہی کتاب ملی تھی ... (۲۸۵)۔

[2] تہذیب التہذیب: ۸/۵۰

[3] طحاوی ۲/۴۲۷

[4] مؤطا امام مالک۔ (دیکھیے صحیفہ ہمام بن منبہ از محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب) صحیفہ علی۔ مستدرک حاکم: ۳/۳۹۵ صحیفہ وائل بن حجر۔ (معجم صغیر للطبرانی، ص: ۲۴۲ و ص ۲۴۳) صحیفہ ابن عباس، صحیفہ ... صحیفہ سمرہ، صحیفہ جابر، صحیفہ ... وغیرہ۔

اور بعض محدثین و مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے مدوّن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں[1] اور ان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی۔ جو لوگ ان کو ترجیح دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "بابُ کَیْفَ یُقْبَضُ الْعِلْمُ"[2] کے ذیل میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہ خط نقل کیا ہے اس میں انہیں کا نام مذکور ہے۔ اور "مؤطا امام محمد"[3] میں ہے کہ ان کو حکم فرمایا گیا۔ لیکن ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ پہلے معلوم ہو گیا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے امراء کے اجناد کو خطوط لکھ کر جمع حدیث کا حکم فرمایا تھا[4] تو بہت ممکن

"مَا رَأَيْتُ عَالِمًا قَطُّ أَجْمَعَ مِنَ الزُّهْرِيِّ وَلَوْ حَدَّثَ عَنِ الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ فَكَذٰلِكَ"

زہری جیسا جامعیت والا میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا اور قرآن و حدیث کو بیان کرنے والا ان سے بہتر اور نہیں پایا۔

یہی ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ "أَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ الْحَدِيثَ" کے مصداق ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے "باب کتابة العلم" میں انہی کو مدوّن اول قرار دیا ہے۔

(فتح الباری ۱/۲۰۸)

اسی طرح ابونعیم نے "حلیة الاولیاء" میں امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مدوّن اول ابن شہاب زہری ہیں۔ (حلیة الاولیاء ۳/۳۶۳)

[1] ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ عالم، فاضل، متقی، عابد اور شب زندہ دار تھے۔ ان کی اہلیہ کا بیان ہے کہ یہ چالیس سال تک رات کو بستر پر نہیں لیٹے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مدینہ منورہ میں ان سے زیادہ کسی کو قضاء کا علم نہیں تھا۔ (تہذیب الکمال: ۲۳/۱۳۷)

[2] "كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ: انْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ" (بخاری ۱/۲۰)

[3] مؤطا امام محمد ۳/۱۰۶، باب اکتتاب العلم، ابواب السیر

[4] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابونعیم اصبہانی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

"كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى الْآفَاقِ اُنْظُرُوْا حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

ہے کہ ایک امیر نے ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ کو اور دوسرے نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کو حکم دیا ہو۔ زمانہ دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے۔

بہرحال یہ دونوں نام تو علی العموم ملتے ہیں، لیکن تاریخ میں ان کے علاوہ اور بھی دوسرے حضرات کے متعلق لکھا ہوا ہے کہ یہ اول مدون ہیں، مثلاً امام مالک، معمر، ابن جریج، ابن مبارک، ہشیم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہ ان سب کے تراجم میں ملے گا کہ یہ لوگ اول مدون ہیں، جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں تار برقی ڈاک وغیرہ کا یہ سلسلہ تو تھا نہیں جو اب ہے۔ ایسے نہ ریل تھی، نہ ہوائی جہاز، موٹر وغیرہ، بلکہ یہ دستور تھا کہ اگر کسی کو اپنے کسی عزیز کا حال معلوم کرنا ہوتا یا سلام و پیغام وغیرہ پہنچانا ہوتی تو جو قافلہ کسی غرض سے اس طرف جاتا یا کوئی ملنے کے واسطے آیا ہوتا اور وہ واپس جاتا یا حج کر کے لوگ واپس جاتے تو ان کے ساتھ ایک پرچہ دیدیا کرتے تھے۔ جب وہ اس مقام پر پہنچتا تو تلاش کرا کر دیدیا کرتا۔ اس میں بسا اوقات ایک ایک سال بھی لگ جایا کرتے تھے۔ غرض کہ ایک کو اپنے سے دور رہنے والے کا حال چونکہ بالکل معلوم نہ ہوتا تھا اس لئے جب کبھی کوئی کتاب حدیث کی کسی طرح دوسری جگہ پہنچتی تو وہ سمجھتے تھے کہ یہی شخص اول مدون ہوگا۔ اس لئے کہ ان کو اس کی خبر ہی نہیں ہوا کرتی تھی کہ اس سے پہلے بھی ایک کتاب اور تصنیف کی جا چکی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے تو کتابی شکل میں جمع کیا اور پھر جوں جوں زمانہ گذرا تہذیب و تنقیح و تبویب ہوتی چلی گئی اور اس فن میں جلا پیدا ہوتا گیا اور دوسرے محدثین نے ہر باب کی احادیث الگ الگ جمع کر دیں، مثلاً زکوٰۃ

علیہ وسلم فاکتبوہ" (فتح الباری ۱/۲۰۴)

حافظ ابو عمر بن عبد البر نے نقل کیا ہے

"حدثت سعد بن إبراهيم: أمرنا عمر بن عبد العزيز بجمع السنن"

(جامع بيان العلم ۱/۷۶)

کی "کتاب الزکوٰۃ" میں اور نماز کے متعلق روایت "کتاب الصلوٰۃ" میں وغیرہ وغیرہ۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علمِ حدیث میں ایک الفیہ لکھا ہے جو "الفیہ سیوطی" کے نام سے مشہور ہے، (اس کو الفیہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ہزار اشعار ہیں) اس میں ان حضرات کے اسمائے گرامی بیان فرمائے ہیں جن کو اول مدوّن کہا گیا ہے اور چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی اول جامع کہا جاتا ہے اس وجہ ان کا نام بھی مذکور ہے وہ اشعار یہ ہیں

أَوَّلُ جَامِعِ الْحَدِيْثِ وَالأَثَرْ — اِبْنُ شِهَابٍ آمِرٌ لَهُ عُمَرْ
وَأَوَّلُ الْجَامِعِ لِلأَبْوَابِ — جَمَاعَةٌ فِي الْعَصْرِ ذُوْ اقْتِرَابِ
كَابْنِ جُرَيْجٍ وَهُشَيْمٍ وَمَالِكٍ — وَمَعْمَرٍ وَوَلَدِ الْمُبَارَكِ
وَأَوَّلُ الْجَامِعِ بِاقْتِصَارِ — عَلَى الصَّحِيْحِ فَقَطْ الْبُخَارِيْ
وَمُسْلِمٌ بَعْدَهُ وَ الأَوَّلُ — عَلَى الصَّحِيْحِ فِي الصَّحِيْحِ أَفْضَلُ[1]

عمر سے مراد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ ان اشعار میں سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اول مدوّن ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کو بتلایا ہے۔ اب چونکہ یہ اعتراض رہ جاتا ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کو بھی تو اول مدوّن کہا گیا ہے تو علامہ ان دونوں میں تطبیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "واول الجامع" الخ یعنی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ پر جو اول جامع کا اطلاق کیا گیا ہے وہ اس حیثیت سے ہے کہ ان حضرات نے سب سے پہلے ابواب کی شکل میں احادیث کو مرتب کیا۔ جمہور کا یہی جواب ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں:

وَأَوَّلُ الْجَامِعِ بِاقْتِصَارِ — عَلَى الصَّحِيْحِ فَقَطْ الْبُخَارِيْ

چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ پر بھی اول جامع کا اطلاق ہے اس لئے علامہ

---

[1] مقدمہ اوجز: ۱/۱۸

سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام پر اول مدون کا اطلاق اس حیثیت سے ہے کہ انہوں نے احادیث صحیحہ مجردہ کو سب سے پہلے جمع کیا۔

تیسری وجہ اس تعارض کی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے کہ یہ اولیت باعتبار بلاد کے ہے مثلاً مدینہ طیبہ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، بصرہ میں ابن جریج رحمہ اللہ تعالیٰ اور ری (ایران) میں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ، یمن میں معمر بن راشد رحمہ اللہ تعالیٰ سب سے اول احادیث کو جمع کرنے والے ہیں۔

احادیث پر ہونے والے اشکالات اور ان کے جوابات

برصغیر میں علم حدیث نہایت پرسکون ماحول میں پڑھایا جاتا ہے اور پڑھنے والوں کے اذہان میں کوئی خلجان وشک نہیں ہوتا، جس کی اصل وجہ ایک صدی سے اکابرین کی مسلسل محنت اور ہر آبادی میں عامۃ فضلاء مدارس عربیہ کی ایک معتدبہ تعداد ہے۔ اس کے بالمقابل موجودہ عرب ممالک میں اور خاص کر شرق اوسط[1] میں اس علم سے متعلق عوام کے ذہن میں بہت سارے اشکالات ہیں، جن کی وجوہات یہ ہیں:

1. ... پچھلی ایک صدی سے اکابرین کی جو محنت یہاں ہوئی وہ وہاں نہ ہوسکی۔
2. ... فضلاء دین کی تعداد میں نہایت کمی۔
3. ... یہود ونصاریٰ کی آبادی کی کثرت، جو مستقل علوم اسلامیہ کو پڑھ کے اس کے ذریعے سے حدیث شریف کے متعلق عوام میں شکوک پھیلاتے ہیں۔ ابھی ابھی ان ملک میں یہودی ذہنیت کے مالک بہت سارے غیر مسلم اور نام نہاد مسلم حضرات بھی طرح طرح کے اشکالات علوم اسلامیہ پر کرنے لگے۔ ان مشہور اشکالات میں

---

[1] شرق اوسط سے مراد: سعودیہ، یمن، خلیجی ریاستیں، عراق، سوریہ (شام) ایران، اردن، فلسطین، لبنان، مصر، ترکی کا کچھ حصہ۔

احکام تھے۔[1]

اس کے علاوہ بہت سی احادیث اس قسم کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابتِ حدیث کی اجازت دی ہے۔[2]

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختلف شاگردوں نے صحائف لکھے۔ انہی میں سے ایک "صَحِیفَۃُ ھَمَّامِ بْنِ مُنَبِّہٍ" ہے جس سے امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "صحیح مسلم" میں "ھٰذَا مَا حَدَّثَنَا اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ" کہہ کے روایت نقل فرماتے ہیں۔[3] مذکورہ احادیث سے اس دوسری جماعت نے اس پر استدلال کیا ہے کہ حدیث کی کتابت جائز ہے۔

❸ تیسری جماعت نے دونوں قسم کی روایت کو جمع کرنے کے لئے ایک تیسرا

---

[1] بخاری، باب کتابۃ العلم، کتاب العلم، رقم الحدیث ۱۱۲ (یہ حدیث بخاری شریف میں اور بھی کئی جگہ پر آئی ہے)

[2] مثلاً ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: "اِسْتَعِنْ بِیَمِیْنِکَ" (ترمذی: ۲/۱۰۷) رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال پر فرمایا "اُکْتُبُوْا ذٰلِکَ وَلَا حَرَجَ"

(تدریب الراوی، ص ۲۸۶ (۲/۶۳) والمحدث الفاصل، ص ۳۶۹)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

"قَیِّدُوا الْعِلْمَ بِالْکِتَابِ" (جامع بیان العلم، ص ۷۲، والمحدث الفاصل، ص ۳۶۸) (دیکھئے "حجیت حدیث" ص ۱۲۳ "تدوین حدیث" ص ۱۵)

[3] حضرت ہمام بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کا جو مجموعہ مرتب کیا تھا اس کا نام حاجی خلیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "کَشْفُ الظُّنُوْن" میں "اَلصَّحِیْفَۃُ الصَّحِیْحَۃُ" ذکر کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں اس صحیفہ کو پورا نقل کردیا ہے۔ چند سال پہلے اس صحیفہ کا اصل مخطوطہ دریافت ہوگیا ہے۔ اس کا ایک نسخہ جرمنی میں برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ دوسرا نسخہ دمشق کے کتب خانہ "مجمع علمی" میں ہے۔ سیرت اور تاریخ کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے ان دونوں نسخوں سے مقابلہ کرکے یہ صحیفہ شائع کردیا ہے۔ اس میں ایک سو اڑتیس (۱۳۸) حدیثیں ہیں اور جب مسند احمد سے اس کا مقابلہ کیا گیا تو کسی ایک حرف یا ایک نقطہ میں بھی فرق نہیں تھا۔

مذہب یہ بیان کیا کہ یاد کرنے کے لئے لکھ لے اور جب یاد ہو جائے تو مٹا دے، لیکن اب جمہور سلف و خلف کا اجماعی اور متفق علیہ فیصلہ ہے کہ حدیث پاک کا لکھنا لکھوانا جائز ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "بَابُ كِتَابَةِ الْعِلْمِ" کے ذیل میں کتابت کا جواز ثابت فرمایا ہے۔

تیسرا جواب: یہ دیا جاتا ہے کہ ان کے یہاں حفظ کا بڑا اہتمام تھا، چونکہ ان کے حافظے نہایت قوی تھے اور لاکھوں حدیثیں وہ اپنے اذہان میں محفوظ رکھتے تھے، اس لئے کتابت کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہوئی تھی۔

حافظے مضبوط ہونے کی چند وجوہات تھیں۔

1. اللہ تعالیٰ کا فضل۔
2. ..... وہ ناخواندہ تھے اور ناخواندہ اقوام قلم کے بجائے حافظے سے زیادہ کام لیتی ہے۔
3. ... عربوں کے یہاں اشعار، تقاریر، خاندانی نسب یہاں تک کہ جانوروں کے انساب بھی یاد رکھنے کا بڑا اہتمام تھا، جبکہ دیگر اقوام کو یہ بات حاصل نہیں ہے۔

محدثین کا دور تو بہت بعد کا ہے، لیکن ان کے حافظے کے واقعات دیکھ کر صحابہ و تابعین کے حافظوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک دو واقعے مثال کے طور پر عرض ہیں:

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ مشہور ہے کہ جنگل میں تشریف لے جا رہے تھے، ایک جگہ پر خود ہی جھک گئے، شاگردوں نے عرض کیا حضور کیوں جھکے؟ امام صاحب نے فرمایا یہاں کوئی کیکر کا درخت نہیں ہے؟ تلامذہ نے عرض کیا کہ نہیں ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میرا حافظہ کمزور ہے تو میرا احادیث نقل کرنا ٹھیک نہیں ہے، لیکن جب تحقیق کی گئی تو گاؤں کے بڑے بوڑھوں نے بتلایا کہ یہاں بہت مدت پہلے ایک کیکر کا درخت تھا جو اب نہیں رہا۔

[1] الاعلام للزرکلی: ۳٦۱/۱، حجیت حدیث، ص ۱۱۰

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اخیر زمانہ میں نابینا ہو گئے تھے۔ بینائی کے زمانہ میں کبھی اس جنگل میں کیکر کے درخت کے نیچے سے گزرے ہوں گے جوان کو اب تک یاد رہا۔[1]

امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حافظے کا یہ حال تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ: جب میں مقام بقیع (اس جگہ مدینہ کا بازار لگا کرتا تھا) سے گزرتا اپنے کان اس خوف سے بند کر لیا کرتا تھا کہ کہیں اس میں بیہودہ باتیں نہ پڑ جائیں، خدا کی قسم ہے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے کان میں کوئی بات پڑ گئی ہو پھر میں اسے بھول گیا ہوں۔[2]

ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ جو حدیث و رجال کے مشہور ائمہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ:

پچاس سال ہوئے جب میں نے حدیثیں لکھیں تھیں اور وہ میرے گھر میں رکھی ہوئی تھیں، لکھنے کے بعد اس پورے پچاس سال کے اندر ان حدیثوں کا میں نے دوبارہ مطالعہ نہیں کیا ہے، لیکن جانتا ہوں کہ کون سی حدیث کس کتاب میں ہے اور اس کتاب کے کس ورق اور کس صفحہ پر ہے، اور کس طرح ہے۔[3]

تو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنے زبردست حافظے دیئے تھے تو ان کو جمع کر کے تصنیف و تالیف کرنے کا کیا فائدہ ہوتا؟ بلکہ ان کا سینہ خود علم کا خزینہ تھا۔

ایک اور اشکال

تدوین جب ایک طویل عرصہ بعد ہوئی تو پھر صحیح اور موضوع روایات میں امتیاز کیسے ہو سکتا ہے؟

---

[1] امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے مگر تتبع کے باوجود حوالہ نہ مل سکا، مختلف حضرات واساتذہ کرام سے سنا ضرور ہے۔ (مرغوب)

[2] جامع بیان العلم: ۹۹/۱۔

[3] تہذیب: ۷/۳۳

جواب

اس بات کو سمجھنے کے لئے کچھ تاریخی پس منظر سمجھنا ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جب خانہ جنگی شروع ہوئی تو امت میں چار جماعتیں بنیں:

1. ......اصلی مسلمان اہل السنۃ والجماعت۔
2. ......حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں غلو کرنے والے۔
3. ......حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرفداری میں غلو کرنے والے۔
4. ......ان دونوں کو صحابی ہی نہ ماننے والے۔

یہ آخری تین گمراہ فرقے سیاسی طور پر وجود پذیر ہوئے۔ اب ہر باطل فرقہ اپنی تائید میں احادیث کو بیان کرنے لگا اور وضع احادیث کا دروازہ کھل گیا۔ اس وقت امت میں جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حیات تھے انہوں نے احادیث کے سلسلہ میں احتیاط شروع کی اور جو بھی حدیث شریف بیان کرتا اس سے سند مانگنا شروع کر دی۔ اس میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو موجود تھے ان کی تائید بھی ضروری سمجھی گئی، چونکہ دور رسالت سے ملحق دور تھا اس لئے وسائط نہایت کم تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ سند کی بنیاد خود صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ڈالی ہوئی ہے۔

اس طرح صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جب اپنے دور میں احادیث کے سلسلے میں رجال اور سند پر زور دینا شروع کیا تو یہی چیز بعد والوں کے لئے بھی ذریعہ امان بن گئی۔ واضعین ایک طرف وضع کا کام کرتے تھے دوسری طرف سند کے ذریعہ سے ان کی اس چوری کو پکڑ لیا جاتا، چنانچہ صحاح ستۃ اور دوسری کتب احادیث میں برابر اسانید کو ذکر کیا جاتا ہے اور ناقدین حضرات نے رواۃ پر جرح و تعدیل بھی مکمل کر دی ہے، اس لئے اب اس میں خلجان کا کوئی موقع ہی باقی نہیں رہتا۔

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نقد کا یہ سلسلہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد کا ہے، اس لئے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نقلِ حدیث کے مسئلہ میں "کُلُّهُمْ عُدُوْلٌ" [1] ہیں اور یہ استقراء تام ہے۔[2]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آخری دور میں حدیث شریف کی حفاظت اور موضوع احادیث کو صحیح سے الگ کرنے کیلئے تین بنیادی کام ہوئے:

1. ......اسناد۔
2. ......نقدِ رواۃ۔
3. ......توثیقِ اکابر اور یہ تینوں ذرائع وثیق ہیں اس لئے احادیث پر اعتماد کے سلسلہ میں کوئی وہم نہ کیا جائے۔

ایک اور اشکال

ایک اور اشکال جو منکرین کی طرف سے کیا جاتا ہے وہ یہ کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے احادیث خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی یا کسی دوسرے صحابی سے سنی اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم روایت کے معاملہ میں "کُلُّهُمْ عُدُوْلٌ" ہیں۔ اب جب تم احادیث کو قانون سازی میں داخل مانتے ہو تو پھر تمام احادیث سے ثابت ہونے والے احکام یکساں ہونے چاہئیں، یہ فرق احکام میں کیوں ہوتا ہے؟

---

[1] تدریب الراوی: ۱۹۰/۲
"اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ" کی تشریح کے لئے دیکھئے! تدریب الراوی ص ۱۹۰/۲،
"مقام صحابہ" از مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۵۳۔

[2] استقراء سے مراد وہ حجت ہے جس میں کسی کلی کے حکم پر اس کے جزئیات کے احکام سے استدلال کیا گیا ہو۔ استقراء تام وہ حجت ہے جس میں کسی کلی پر اس کے تمام جزئیات کے تتبع احوال سے حکم لگایا گیا ہو یہ یقین کا فائدہ دیتا ہے، مثلاً ہر حیوان ناطق ذی حس ہوتا ہے، ہر شکل دیدہ دار ہوتا ہے۔
(معین المنطق: ۸۶/۲، بحث استقراء)

جواب

❶ ..... تمام کی تمام نصوص باعتبار استنباط احکام یکساں درجہ کی نہیں، جیسے قرآن کریم کی (۵۰۰) سے زیادہ آیتیں احکام سے متعلق ہیں، لیکن تمام آیتوں سے ثابت ہونے والے احکام یکساں نہیں بلکہ اس میں فرق ہوتا ہے۔ معلوم ہوا قرآن کریم سے ثابت ہونے والے احکام ایک درجہ کے نہیں تو پھر احادیث پر یہ اشکال کیوں؟

❷ ..... نصوص سے احکام کے استنباط میں قرائن کا خاص لحاظ کیا جاتا ہے۔ قرائن کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم داخلی: اس کی دو صورتیں ہیں: ایک تو قرینہ اسی آیت میں ہو، دوسرا کسی دوسری آیت میں قرینہ ہو۔

دوسری قسم خارجی قرائن: وہ اصول وضوابط جو اس دور میں اصول فقہ کے نام سے پڑھائے جاتے ہیں۔

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ خارجی قرائن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے نہیں تھے، مثلاً اسانید جو کہ اس وقت حدیث شریف پر اشکال کرنے والوں کے لئے بیٹ کا درد ہیں، اگر حقیقت کی نگاہوں سے دیکھا جائے تو یہ اسانید صرف ایک قرینہ ہے بنیاد نہیں، اس لئے کہ مجتہدین کی نگاہوں میں تلقی بالقبول جس روایت کو حاصل ہو وہ قابل قبول ہوتی ہے سند نہیں دیکھی جاتی۔

حجیت حدیث

اس زمانے میں حجیت حدیث کا مسئلہ بھی بڑا اہم ہے۔ منکرین حدیث نامی جو ایک گروہ ہے اس کا مطلب لوگوں نے غلط سمجھا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ گروہ احادیث کا سرے سے انکار کرتا ہے گویا احادیث نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ منکرین حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ وہ احادیث شریفہ کو مانتے تو ہیں: لیکن

اسلامی قانون سازی میں بے حیثیت مانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے یہ احادیث بزرگوں کے اقوال کی طرح تربیت اور اصلاحِ اخلاق وغیرہ امور کے لئے ہیں قانون سازی کے لئے نہیں، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جس طرح قرآن کریم اسلامی قانون سازی میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے احادیث شریفہ کو بھی قانون سازی میں بڑا دخل ہے۔ اب اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے دلیل کی ضرورت پڑتی ہے اور دلیل کے لئے بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ایک دو عام فہم دلیلوں کو ذکر کیا جاتا ہے۔

❶ باری تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے

﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ﴾[1]

پھر ہمارے ہی ذمہ ہے نازل کئے ہوئے قرآن پاک کی وضاحت کرنا۔

یہاں دو چیزیں آ گئیں ایک مبیّن دوسرا مبیَّن۔ مبیِّن جو وضاحت کرے اور مبیَّن جس کی وضاحت کی جائے۔ یہ دونوں مِنْ کُلِّ الْوُجُوْہ ایک نہیں صرف اعتباری فرق ہے اور یہ جو بیان کرنے والا ہے اسی کو اصطلاح میں حدیث کہتے ہیں، چونکہ مبیِّن بھی منجانب اللہ ہے تو جس طریقے سے مبیَّن یعنی قرآن کریم قانون ہوا اسی طریقے سے مبیِّن بھی قانون ہوا اور قانون سازی میں اس کو بھی دخل ہے، جیسے کہ مرکزی حکومت کوئی قانون بنادے اور صوبائی حکومت اس کی من مانی وضاحت کرنے لگے تو وہ ناقابل قبول ہوگی۔ صرف طور پر مرکز سے قانون کے ساتھ جو وضاحت آتی ہے وہ بھی قانون ہی شمار ہوتی ہے، تو اصل متن اور اس کی شرح یعنی احادیث شریفہ دونوں کو ملحوظ رکھ کر قانون تیار ہوتا ہے۔

❷ سورۂ نحل میں باری تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ

---

[1] سورۂ قیامہ، آیت ۱۹

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٤﴾ [1]

اس آیت کریمہ میں بھی دو چیزوں کا ذکر ہے: ایک وحی قرآن اور دوسرا اس کا بیان اور وضاحت، چونکہ قرآن کریم ایک جامع متن ہے، اس کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور یہ انہیں صرف انسان کے بس میں ہے، مکہ والوں کا بھی یہ اشکال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول فرشتہ کو کیوں نہیں بنایا؟ فرشتہ انسانوں کو وہ بات سمجھا نہیں سکتا جو ایک انسان سمجھا سکتا ہے۔ اب مقصد تفہیم کے لئے رسول کی زبان پر جو کلمات آتے ہیں وہ بھی اس مقصود میں شامل ہیں اس لئے بیان اور متن دونوں قانون سازی میں مساوی ہوئے۔

نکتہ

﴿لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول کا کام بنیادی طور پر ضروری وضاحت کو پیش کرنا ہے۔ اب رسول جو اصل راہ ڈال کر جاتے ہیں اس پر ہر زمانہ میں ضرورت کے پیش نظر مجتہدین غور وفکر کرکے وضاحت کرتے رہیں گے اور وہ بھی قانون اسلامی شمار کیا جائے گا۔

٢ ..... نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ [2]

(فَوَعَاهَا، پہلے زمانہ میں جب بینک نہیں تھے لوگ نقد کو برتن میں بند کرکے چھپا دیتے تھے، اس کو وعا کہا جاتا ہے اور لفظ وعاء اسی مناسبت سے برتن پر بولا جاتا

---

[1] سورۃ النحل، آیت ۴۴۔ ترجمہ: "آپ پر یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کر دیں اور تاکہ وہ ان میں غور کیا کریں۔"

[2] ترمذی، باب ما جاء في الحث على تبليغ السماع، ابواب العلم، رقم الحديث: ۲۶۵۸

ابوداؤد، باب فضل نشر العلم، كتاب العلم، رقم الحديث: ۳۶۶۰

ہے۔)

حدیث شریف میں بتایا گیا کہ ناقل کے مقابلہ میں منقول الیہ زیادہ فقیہ ہوسکتا ہے۔ معلوم ہوا زبان رسالت نے یہ اعلان فرمایا کہ ان احادیث میں فقہ ہے اور فقہ قانون اسلامی ہی کا نام ہے، تو قرآن کی طرح احادیث شریفہ کو قانون کا مصدر خود زبان رسالت نے فرمایا ہے۔

❷ ...... قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَلَا اِنِّىْ اُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ" الخ[1]

یعنی مجھے قرآن دیا گیا اور قرآن کریم کی مانند بھی ایک چیز دی گئی ہے۔

اور وہ یہ احادیث شریفہ ہی ہیں اور یہ مثلیت تعداد میں نہیں بلکہ حجیت میں ہے، چونکہ قرآن میں نماز کا اجمالی حکم ہے، اس کی تفاصیل احادیث شریفہ میں ہیں اور نماز انہیں تفاصیل کی رعایت کے ساتھ صحیح ادا ہوتی ہے۔ معلوم ہوا یہ قانون سازی میں حجت ہے۔

امر سادس اجناس

اس میں کلام مختصر ہے۔ علوم کی اجناس مقرر ہیں اور مقرر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ علم کی تقسیم مختلف حیثیات و احوال کے ساتھ کی گئی ہے، مثلاً ایک تقسیم علم کی باعتبار عقلیات و نقلیات کے ہے کہ آیا یہ علم عقلی ہے یا نقلی؟ جیسے منطق و فلسفہ عقلی ہیں اور جغرافیہ، تاریخ وغیرہ نقلی۔ اس معنی کے اعتبار سے علم حدیث کی جنس نقلی ہے۔

ایک تقسیم علوم کی اصلی و آلی ہونے کے اعتبار سے ہے کہ آیا یہ علم مقصود اصلی ہے یا دوسرے کسی علم کے لئے آلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس اعتبار سے علم حدیث کی جنس اصلی ہے۔

ایک تقسیم علوم کی شرعی و غیر شرعی ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اس اعتبار سے علم

---

[1] ابوداؤد، باب في لزوم السنة، كتاب السنة، رقم الحديث ٤٦٠٤.

حدیث کی جنس شرعی ہوئی۔ تو اب خلاصہ یہ نکلا کہ علم حدیث کی جنس نقلی، اصلی، شرعی ہوئی۔

علماء نے اس سلسلہ میں متعدد کتابیں لکھیں ہیں مثلاً "کَشْفُ الظُّنُوْنِ عَنْ أَسَامِي الْكُتُبِ وَالْفُنُوْنِ" اس میں اصلی تذکرہ تو کتابوں کا ہے مگر ضمناً اجناس پر بھی بحث کی گئی ہے اور نواب صدیق حسن خان قنوجی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "أَبْجَدُ الْعُلُوْمِ" اور مولانا محمد اعلی تھانوی محدث رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "كَشَّافُ اِصْطِلَاحَاتِ الْفُنُوْنِ" وغیرہ۔ اس فن میں سب سے جامع کتاب بھی "کشاف" ہے۔

امرِ سابع مرتبہ حدیث

علم حدیث کا مرتبہ دو اعتبار سے ہے، ایک باعتبار فضیلت، دوسرا باعتبار تعلیم۔ فضیلت کے اعتبار سے تو یہ دوسرے نمبر پر ہے، کیونکہ اول نمبر پر قرآن پاک ہے اور تعلیمی حیثیت سے اس کا مرتبہ سب علوم سے آخر میں ہے، جیسا کہ آپ بھی دیکھتے ہیں کہ ہر درس نظامی میں دورۂ حدیث شریف کو جملہ کتب کے اخیر میں رکھا گیا ہے۔ سب سے پہلے نحو وصرف اور دوسرے علوم کی تعلیم دی جاتی ہے، کیونکہ یہ سب علوم آلیہ ہیں اور آلہ کے درجہ میں ہیں اور آلہ مقدم ہوا کرتا ہے اور اصل مقصد مؤخر۔

امرِ ثامن قسمت وتبویب

جس طرح کتابوں کے اندر تقسیم وتبویب ہوتی ہے ایسے ہی علم کی بھی تقسیم وتبویب ہوتی ہے، چنانچہ حدیث کے آٹھ ابواب ہیں۔ یعنی ہر حدیث کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان آٹھ ابواب میں سے کسی ایک باب میں داخل ہو وہ آٹھ یہ ہیں:

❶ عقائد۔

❷ احکام۔

❸ تفسیر۔

❹ تاریخ۔

❺ رقاق۔

❻ آداب۔

❼ مناقب۔

❽ فتن۔

جو کتاب ان آٹھوں ابواب پر مشتمل ہو اس کو جامع کہتے ہیں، "بخاری" جامع ہے۔

نیز ان اقسام ثمانیہ میں مستقل الگ الگ تصانیف بھی ہیں، مثلاً امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "کِتَابُ الْاَسْمَآءِ وَالصِّفَاتِ" اس میں بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احادیث عقائد کو جمع کیا ہے اور عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کی "کِتَابُ الزُّھْدِ وَالرَّقَائِقِ" وغیرہ۔

"ترمذی" کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ کونسی قسم میں داخل ہے۔ اس کے اندر اگرچہ ابواب ثمانیہ موجود ہیں مگر اس کی ترتیب فقہی انداز پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو "کِتَابُ الطَّھَارَۃِ" سے شروع فرمایا نہ کہ "کِتَابُ الْاِیْمَانِ" سے۔ جن لوگوں نے آٹھوں ابواب کا خیال کیا انہوں نے اس کو جامع بتایا اور بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ اس کی تالیف بطریق سنن ہے اس کو "سُنَنِ تِرْمِذِی" بتایا۔

امر تاسع حکم شرعی

علم حدیث کا حکم شرعی یہ ہے کہ جس مقام پر صرف ایک مسلمان ہو وہاں حدیث کا پڑھنا فرض عین ہے اور اگر بہت سے مسلمان ہوں تو پھر فرض کفایہ ہے۔

یعنی تمام علم فقہ کا ہے، کیونکہ احادیث کی تفصیل و تعیین فقہ پر ہی موقوف ہے۔ یہ امور پورے ہو گئے۔

انواعِ کتبِ حدیث

علم کی ابحاث ہوتی ہیں اور کتاب کی انواع بیان کی جاتی ہیں۔ اب اسی کا نمبر ہے۔ انواعِ کتبِ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ محدثین کرام نے نہایت جانفشانی سے اپنی کتابوں کو لکھنے میں جو ایک خاص اسلوب اور جدت طرازی سے اور طرح طرح کی گلکاریاں کی ہیں اور مختلف جہتوں سے احادیث جمع کی ہیں وہ کس طرح سے ہیں اور کیسی ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "عُجالۂ نافعہ" میں چھ قسمیں بیان فرمائی ہیں،[1] جس میں انہوں نے جوامع وغیرہ کو ایک شمار فرما کر اس طرح تقسیم فرمائی ہے: جوامع، مسانید، معاجم، اجزاء، رسائل، اربعینات، لیکن سیدی حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مقدمۂ لامع الدّراری" میں اٹھائیس قسمیں بیان فرمائی ہیں۔[2]

پہلی قسم "جوامع"

جوامع اس کتاب کو کہتے ہیں جو علم حدیث کے ابوابِ ثمانیہ پر مشتمل ہو،[3] یعنی عقائد، احکام، تفسیر، تاریخ، آداب، رقاق، مناقب، فتن۔[4]

---

[1] عجالۂ نافعہ مع فوائد جامعہ ص ٥٠

[2] مقدمۂ لامع الدراری، ص ۱/۴۳ تا ۴۶

[3] علامہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان مضامین کو اس شعر میں جمع کر دیا ہے:

سیر، آداب، تفسیر و عقائد — فتن، احکام، اشراط و مناقب

[4] سیر: سیرت کی جمع ہے، یعنی وہ روایات جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے واقعات پر مشتمل ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات ہوں گی۔

اور بعض حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیتے ہیں اس میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہوں گے مگر اس لئے کہ ان کے نام میں پہلے الف ہے۔ اسی طرح حضرت اسامہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حرف الالف میں ہوں گے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نمبر حرف العین میں ہوگا۔

اور بعض تقدم اسلام کے اعتبار سے ترتیب دیتے ہیں[1] یعنی جو متقدم فی الاسلام ہو اس کی روایت کو پہلے جمع کریں گے خواہ وہ مرتبہ میں کم ہو یا زیادہ۔

بعض نے مراتب صحابہ کے اعتبار سے ترتیب دی ہے، یعنی پہلے خلفاء راشدین، پھر اصحاب بیعت رضوان وعلی ہذا القیاس۔[2]

بعض نے قبائل کے اعتبار سے ترتیب دی ہے۔ جس میں پہلے بنو ہاشم کی مرویات کو ذکر کیا ہے خصوصاً حضرت علی و حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اس کے بعد ہر وہ قبیلہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی تعلق و رشتہ رکھتا ہو، اس اعتبار سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث سے پہلے لائیں گے۔[3]

---

[1] لیکن اس کی تصنیف مفقود ہیں جن میں تقدم فی الاسلام کا اعتبار کیا گیا ہے۔ (مقدمہ لامع الدراری: ۱/۲۶)

[2] خلفاء راشدین کے بعد عشرۂ مبشرہ، پھر بدریین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، پھر شرکائے بیعت رضوان رضی اللہ تعالیٰ عنہم، پھر اہل مدینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، پھر فتح مکہ سے پہلے ہجرت کرنے والے، پھر جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، پھر صغار صحابہ، ان کے بعد عورتیں، لیکن عورتوں میں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی حدیثوں کو مقدم کیا جائے گا۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے تین صاحبزادیوں حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے کوئی روایت منقول نہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کل (۱۸، سیر اصحاب: ۶/۱۰۰) روایتیں منقول ہیں لیکن وہ بہت کم ہیں۔ (تبلیغ الفرض: ۳۹)

[3] کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ بنی امیہ سے تعلق رکھتے ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ

پہلے زمانہ میں مسانید لکھنے کا بہت دستور تھا اور اکثر اکابر نے مسانید لکھیں ہیں، مثلاً: "مسند امام احمد ابن حنبل"[1] "مسند ابی داؤد طیالسی، مسند ابن ابی شیبہ، مسند حمیدی، مسند بزار وغیرہ"[2]

چوتھی قسم "معجم"

معجم وہ کتاب ہے جس میں شیوخ کی ترتیب پر روایات کو جمع کیا جائے،[3]

تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلوں کے لحاظ سے ہاشم سے زیادہ قریب ہے۔ (مقدمہ لامع الدراری ۱/۲۶)

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں پر مقدم ہوں گی۔ (عجالہ نافعہ ص ۵)

[1] مسانید میں "مسند امام احمد بن حنبل" سب سے زیادہ مشہور اور نہایت جامع و متداول ہے۔

[2] یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ کبھی حدیث کی کتاب پر "مسند" کا اطلاق اس لئے بھی کر دیا جاتا ہے کہ اس میں احادیث ابوابِ فقہیہ کی ترتیب پر ہوتی ہے یا اس کی ترتیب حروفِ کلمات پر ہوتی ہے اور اس میں ہر حدیث کی سند حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مذکور ہوتی ہے، چونکہ وہ مسند اور مرفوع حدیثوں کا مجموعہ ہوتا ہے اس لئے اس کو "مسند" کہہ دیتے ہیں۔ بخاری اور مسلم کو مسند اسی لئے کہا گیا ہے۔ دارمی کو بھی مسند کہتے ہیں حالانکہ اس میں مرسل، منقطع اور معضل سب طرح کی احادیث ہیں، مگر مرفوعات کا ذخیرہ زیادہ ہے۔ (لیکن مسند کی یہ اصطلاح مشہور نہیں ہے)۔

واضح رہے مسند جس طرح اسماءِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر حروفِ تہجی کے اعتبار سے مرتب ہوتی ہے اگر ابوابِ فقہیہ پر بھی مرتب ہو تو ایسی کتاب بیک وقت مسند بھی کہلاتی ہے اور مصنف بھی، ایسی کتابیں بہت کم لکھی گئی ہیں۔ شیخ الاسلام ابو عبدالرحمن بقی بن مخلد رحمہ اللہ تعالیٰ اندلسی القرطبی رحمہ اللہ کی کتاب "مصنف کبیر" جس کو مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ناموں پر مرتب کیا، اس میں ایک ہزار تین سو سے زائد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے، پھر ہر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو موضوعاتِ فقہ اور ابوابِ احکام پر مرتب کیا ہے، جس کی وجہ سے وہ مسند و مصنف بن گئی۔ (عجالہ نافعہ ص ۱۵)

[3] معجم کی یہ تعریف مشہور ہے کہ شیوخ کی ترتیب پر روایات جمع کی ہوں مگر حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ تعریف صحیح نہیں، معجم وہ ہے جس میں حروفِ تہجی کی ترتیب پر احادیث کو جمع کیا گیا ہو خواہ یہ ترتیب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہو یا شیوخ میں۔

خاص مسئلہ و موضوع کے متعلق روایات کو جمع کیا گیا ہو۔

ان اجزاء و رسائل کو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے الگ الگ دو قسمیں شمار کی ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے نزدیک دونوں ایک ہیں۔ متقدمین جس چیز کو اجزاء سے تعبیر کرتے تھے متاخرین نے اس کو رسائل سے تعبیر کیا، چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ بکثرت اجزاء پر رسالہ کا اطلاق کرتے ہیں اور میرے نزدیک اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا "جُزْءُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ" مشہور ہے۔ حالانکہ وہ ایک مسئلہ کے متعلق ہے، لیکن شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق اس کو رسالہ کہنا چاہئے۔

ساتویں قسم "اربعینہ"

جس کو ہمارے یہاں "چہل حدیث" کہتے ہیں۔ اس کے متعلق ایک حدیث مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"مَنْ حَفِظَ عَلَى أُمَّتِيْ أَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا مِنْ أَمْرِ دِيْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ زُمْرَةِ الْفُقَهَاءِ وَالْعُلَمَاءِ. وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ: كُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَشَهِيْدًا. وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ: قِيْلَ لَهُ ادْخُلْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتَ"

یعنی جو شخص میری امت تک ان کے امر دین کے متعلق چالیس حدیثیں محفوظ کرے اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن فقہاء اور علماء کے ساتھ اٹھائیں گے، اور ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا شفاعت

۱ؔ لامع الدراری، ص ۱۴۳ ۲ؔ عجالہ نافعہ، ص ۱۰

۳ؔ تقریر بخاری شریف از حضرت شیخ ۲۰/۱

اور گواہ ہوں گا۔ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کو کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے تو چاہے داخل ہو جا۔[1]

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے۔[2] لیکن تمام علماء حدیث (محدثین) نے چہل حدیث لکھیں ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے لکھنے والے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔[3]

کوئی محدث ایسا نہیں جس نے چہل حدیث نہ لکھی ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ

---

[1] شعب الایمان للبیہقی ص ۲۷۰ و ۲۷۱، باب فی طلب العلم، فصل فی فضل العلم و شرف مقداره رقم الحدیث ۱۷۲۶ و ۱۷۲۷، مشکوٰۃ ۱/۳۶، کتاب العلم، الفصل الثالث

[2] امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"هذا متن مشهور فيما بين الناس وليس له إسناد صحيح" (تنقیح المشکوٰۃ، ج ۱، ص ۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تیرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے لیکن اس کی کوئی سند علت قادحہ سے محفوظ نہیں۔ (تلخیص الحبیر، کتاب الوصایا، رقم ۱۳۶۳، ۳/۹۳)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

"واتفق الحفاظ على أنه حديث ضعيف وإن كثرت طرقه"

(الاربعین النوویہ، ص ۱۰)

صاحب فیض القدیر تحریر فرماتے ہیں:

"أما الحديث فقد ورد من طرق كثيرة بروايات متنوعة واتفقوا على أنه حديث ضعيف وإن كثرت طرقه" (۶/۱۳۱)

قال ابن عساكر: "الحديث روي عن علي وعمر وأنس وابن عباس وابن مسعود ومعاذ وأبي أمامة وأبي الدرداء وأبي سعيد بأسانيد فيها كلها مقال" (فیض القدیر ۶/۱۳۱)

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس پر صحیح کی علامت لگائی ہے مگر علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی شرح میں تضعیف کی ہے۔ (فیض القدیر ۶/۱۳۱، تحت رقم الحدیث ۸۶۳۸)

[3] لامع الدراری ص ۱۰

نویں قسم "مستدرک"

یہ کسی کتاب کو سامنے رکھ کر لکھی جاتی ہے، مثلاً بخاری و مسلم کو سامنے رکھ کر ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مستدرک"[1] لکھی ہے۔ مستدرک کا مطلب یہ ہے کہ کسی کتاب کی شرط کے مطابق کوئی روایت موجود ہے اور اس کو اس کتاب کے مصنف نے ذکر نہ کیا ہو خواہ عمداً یا سہواً، جیسے "مشکوٰۃ شریف" یہ علامہ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "مصابیح" پر تخریج ہے اور فصل ثالث اس پر استدراک ہے۔[2]

دسویں قسم "مستخرج"

یعنی کسی کتاب کی احادیث کو اپنی سند سے بیان کرنا بشرطیکہ مصنف اصل حائل نہ ہو،[3] اور فائدہ اس کا تقویت ہے، کیونکہ جو حدیث کسی سند کے ساتھ اصل کتاب

---

[1] حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی "اَلْمُسْتَدْرَكُ عَلَى الصَّحِيْحَيْنِ" سب سے زیادہ رائج اور مشہور ہے۔ اس میں انہوں نے وہ احادیث نقل کی ہیں جو صحیحین میں موجود نہیں، لیکن ان کے خیال میں بخاری اور مسلم کی شرط پر اترتی ہیں، لیکن امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ تصحیح احادیث کے معاملہ میں بہت متساہل ہیں، چنانچہ انہوں نے بہت سی حسن، ضعیف، منکر بلکہ موضوع احادیث کو بھی "صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ" قرار دے کر مستدرک میں داخل کر دیا ہے، اس لئے حافظ ذہبی نے اس کی تلخیص کر کے امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کی غلطیوں پر متنبہ کیا ہے، یہ تلخیص حاکم کی مستدرک کے ساتھ شائع ہو چکی ہے، جب تک حدیث کے بارے میں وہ صحت کی تصدیق نہ کرے اس وقت تک محض حاکم کی تصحیح کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

[2] تقریر بخاری: ۱/ ۳۴۔

[3] اس طور پر کہ مصنف سابق کے شیخ یا استاذ یا اس سے اوپر کسی جگہ سے اپنی سند ملا دے۔ مستخرج میں کتاب سابق کی ترتیب اور اس کی سند اور متن کی رعایت کی جاتی ہے اور یہ بات بھی پیش نظر رہتی ہے کہ سند اقرب سے ملائی جائے، یعنی سب سے پہلی جگہ جہاں دونوں کی سند یا ملتی ہوں وہیں ملا دے کیونکہ قریب کو چھوڑ کر بعید کے ساتھ ملانا استخراج نہیں ہے الا لعذر أو زیادة مهمة۔
واضح رہے کہ استخراج میں متن کے پورے الفاظ کے ساتھ موافقت ضروری نہیں ہے، کیونکہ

میں ہے تو استخراج کرنے والا اپنی مستخرج میں وہ حدیث دوسری سند سے بیان کرے گا، مثلاً "مستخرج ابوعوانہ" یہ مسلم پر ہے۔[1]

گیارھویں قسم "معلل"

یہ نوع علوم حدیث کی انواع میں سب سے زیادہ غامض اور مشکل ہے۔ اس میں اس کی اسانید وطرق کو جمع کرکے بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں حدیث میں یہ علت ہے۔ اس فن کے لئے فہم ثاقب اور وسیع حافظ اور رواۃ حدیث کی کامل معرفت اور اسانید ومتون کا پورا ملکہ ضروری ہے۔ اسی نے اس فن پر بڑے بڑے حضرات ہی نے قلم اٹھایا ہے۔[2] مثلاً: کتاب العلل علی ابن المدینی، کتاب العلل ابن ابی حاتم، احمد ابن حنبل، بخاری، مسلم، ابوزرعہ رازی، ترمذی اور دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین[3]

ان سب میں جامع کتاب دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔[4] امام ترمذی رحمہ اللہ

روایت بالمعنی ہوتی ہے اور اس کے الفاظ میں تفاوت ہوجاتا ہے، جیسے "لَا تُقْبَلُ صَلٰوۃٌ بِغَیْرِ طُهُوْرٍ" کی جگہ "لَا تُقْبَلُ صَلٰوۃٌ اِلَّا بِطُهُوْرٍ" آجاتا ہے۔

[1] مستخرجات بکثرت ہیں اور مختلف کتابوں پر لکھی گئی ہیں، جیسے "مستخرج علی سنن ابی داؤد" محمد ابن عبدالملک رحمہ اللہ تعالیٰ کی اور "مستخرج علی جامع الترمذی" ابوعلی طوسی رحمہ اللہ تعالیٰ کی، اسی طرح "مستخرج علی صحیح مسلم" ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی۔

نوٹ: "مستخرج ابو عوانہ" کو "صحیح ابو عوانہ" بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ حافظ ابوعوانہ نے "صحیح مسلم" کے طرق کے علاوہ دوسرے طرق اور اسانید کو بھی ذکر کیا ہے نیز متن میں کچھ احادیث کا اضافہ بھی فرمایا اسی بناء پر اسے مستقل کتاب کی حیثیت دے کر "صحیح ابو عوانہ" کہا جاتا ہے۔

[2] نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر، ص ۷۰.

[3] مقدمة لامع الدراری ۱/۱۷۷ نیز دیکھئے: تدریب الراوی ۱/۲۵۸، کشف الظنون ۲/۱۱۵۹، مقدمه فتح الباری، ص ۱۹۲.

[4] مقدمة لامع الدراری ۱/۱۷۷ و ۱۷۲.

تعالیٰ کی "کتاب العلل" دو ہیں: ایک چھوٹی دوسری بڑی۔ اول الذکر تو "جامع ترمذی" کے ساتھ منسلک ہے اور ثانی الذکر مستقل ہے۔

بارہویں قسم "اطراف"

اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کا ایک ٹکڑا (جو بقیہ حدیث پر دلالت کرتا ہو) ذکر کرکے اس کی وہ تمام اسانید جو کتابوں میں مذکور ہیں جمع کردی جائیں، مثلاً انہوں نے عنوان باندھا "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" اب یہ حدیث جتنے طرق سے مروی ہے ان سب کو جمع کردیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ حدیث تلاش کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے کہ یہ حدیث کہاں کہاں ہے اور غلطی بھی جلدی معلوم ہوجاتی ہے۔

علل اور اطراف میں تھوڑا سا فرق ہے، وہ یہ کہ اطراف میں تو حدیث کی ساری اسانید کو یکجا کردیا جاتا ہے خواہ وہ ضعیف ہوں یا صحیح اور علل میں صرف اسانید ضعیفہ کو یکجا جمع کرکے ان کے نقائص پر تنبیہ کی جاتی ہے۔ اطراف میں بھی علماء نے بے شمار تصنیف کی ہیں، مثلاً ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کی "اَلْإِشْرَافُ فِيْ مَعْرِفَةِ الْأَطْرَافِ"، حافظ مزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "تُحْفَةُ الْأَشْرَافِ فِيْ مَعْرِفَةِ الْأَطْرَافِ"، اسی طرح علامہ سیوطی، سراج الدین عمر بن علی الملقن، حافظ محمد بن طاہر مقدسی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔[1]

---

[1] ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر سب سے پہلے دو جلدوں میں "اَلْأَشْرَافُ فِيْ مَعْرِفَةِ الْأَطْرَافِ" کے نام سے سنن اربعہ کی اطراف لکھی۔ اس کتاب کو انہوں نے حروف تہجی پر مرتب کیا ہے۔ اس کے بعد حافظ عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "اطراف الکتب الستۃ" تحریر فرمائی۔ حافظ ابو مسعود ابراہیم بن محمد الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیحین پر اطراف لکھی۔ آج کل اس نوع کی سب سے زیادہ متداول کتاب حافظ مزی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۷۴۲ھ کی "تُحْفَةُ الْأَشْرَافِ فِيْ مَعْرِفَةِ الْأَطْرَافِ" ہے جس میں صحاح ستہ کے اطراف کو لکھا گیا ہے۔

تیرہویں قسم "تراجم"

یعنی کسی خاص سند کو لے کر اس سند سے جتنی روایتیں مروی ہیں چاہے صحیح ہو یا سقیم سب ذکر کردی جائیں، مثلاً "مالك عن نافع عن ابن عمر" یا "هشام عن ابيه عن عائشة." اس فن میں حافظ صلاح الدین علائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصنیف فرمائی ہے۔[1]

چودھویں قسم "تعلیقہ"

یہ قسم متقدمین کے یہاں بہت کم پائی جاتی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی خاص موضوع پر روایات کو جمع کر دیا جائے اور سند کو چھوڑ کر متن پر اکتفا کیا جائے۔ متاخرین کی اکثر تصانیف اسی طرح کی ہیں، مثلاً علامہ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "مصابیح" علامہ خطیب تبریزی کی "مشکوۃ" ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "مجمع الزوائد" علامہ مغربی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "جمع الفوائد" علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "جمع الجوامع" وغیرہ۔

پندرہویں قسم "تخاریج"

اس کا اطلاق ان کتابوں پر ہوتا ہے جس میں کسی کتاب کی ان احادیث کی تخریج کی گئی ہو جو اصل کتاب میں بلا سند مذکور ہوں، جیسے "احیاء العلوم للغزالی" کی تخریج علامہ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ "هدایه" کی تخریج علامہ

اس نوع کے تحت "المعجم المفهرس لا لفاظ الحديث النبوي" اور اس کی تلخیص "مفتاح كنوز السنة" بھی آتی ہیں۔ (کشف الظنون، ص ۱۰۳ و ۱۱۲۔ لامع: ۱/۲۷)

[1] اس نوع میں وہ کتابیں بھی داخل ہیں جو "من روى عن ابيه عن جده" کہلاتی ہیں۔

زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "نصب الرایہ" نامی کی ہے۔ اسی طرح "ھدایہ" کی تخریج علامہ ابن الترکمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی کی ہے[1]

سولھویں قسم "زوائد"

یہ قسم مستدرک ہی کے قریب ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کتاب کی روایات پر دوسری کتاب میں جو زائد روایات ہیں ان کو بیان کیا جائے، مثلاً حافظ مغلطائی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "زوائد ابن حبان علی الصحیحین" "زوائد مسند احمد علی الستۃ" "زوائد ابی یعلی علی الستۃ" وغیرہ[2]

سترھویں قسم "ترغیب وترہیب"

کسی خاص امر کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وعدے یا وعیدیں بیان فرمائی ہیں ان کو ایک جگہ جمع کر دینا، مثلاً امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "ترغیب الصلوٰۃ" اور حافظ زکی الدین منذری رحمہ اللہ تعالیٰ کی "التَّرْغِیْبُ وَالتَّرْھِیْبُ"[3]

---

[1] "ہدایہ" میں ساری احادیث بلا حوالہ ہیں، ان احادیث کی تعداد حوالہ تلاش کرنے کی غرض سے جو کتابیں لکھی گئیں وہ ہدایہ کی تخریج کہلائیں گی، مثلاً "نصب الرایۃ" اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی "اَلدِّرَایَۃُ فِیْ تَخْرِیْجِ اَحَادِیْثِ الْھِدَایَۃِ"۔

نیز انہوں نے ہی "اَلتَّلْخِیْصُ الْحَبِیْرُ فِیْ تَخْرِیْجِ اَحَادِیْثِ الرَّافِعِیِّ الْکَبِیْرِ" کے نام سے ایک مفصل کتاب لکھی ہے، جس میں شافعی فقہ کے ایک مشہور متن "رافعی" کی احادیث کی تخریج کی ہے، ان کی یہ کتاب احادیث احکام کا جامع ترین ذخیرہ سمجھی جاتی ہے، اسی طرح ان ہی کی کتاب ہے "اَلْکَافِیُّ الشَّافُ فِیْ تَخْرِیْجِ اَحَادِیْثِ الْکَشَّافِ"۔

[2] اور علامہ نورالدین ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "مَوَارِدُ الظَّمْاٰنِ اِلٰی زَوَائِدِ ابْنِ حِبَّانَ" جس میں صحیح ابن حبان کی صرف وہ احادیث لی گئی ہیں جو صحیحین میں موجود نہیں ہیں۔

[3] مقدمہ لامع الدراری، ص ۴۸، کشف الظنون، ص ۴۰۰

اٹھارہویں قسم "مسلسلات"

کسی سند کے رواۃ کسی ایک چیز (چاہے قولی، فعلی، مکانی، زمانی) میں متفق ہوں تو وہ مسلسل کہلاتی ہے، مثلاً:

"سَمِعْتُ فُلَانًا يَقُوْلُ أَشْهَدُ بِاللّٰهِ لَقَدْ حَدَّثَنِيْ ..... الخ"

یا

"دَخَلْنَا عَلٰى فُلَانٍ فَأَطْعَمَنَا تَمْرًا وَمَاءً ... الخ"

وغیرہ۔ اس فن پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس کا نام ہے "اَلْفَضْلُ الْمُبِيْنُ فِي الْمُسَلْسَلِ مِنْ حَدِيْثِ النَّبِيِّ الْأَمِيْنِ"[1]

انیسویں قسم "ثلاثیات"

وہ روایت جس میں محدث اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تین راوی ہوں، مثلاً ثلاثیات امام بخاری، ثلاثیات امام دارمی وغیرہ[2]

---

[1] ابو بکر بن شاذان، ابو نعیم اور مستغفری وغیرہ نے بھی مسلسلات لکھی ہیں۔

(الرسالۃ المستطرفۃ، ص ۶۳)

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دو مسلسلات لکھی ہیں۔

(لامع الدراری ۱/۸۹، کشف الظنون: ۲/۱۶۷۷)

[2] بخاری میں بائیس ثلاثی روایات ہیں۔ ان میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو شاگرد مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ سے گیارہ اور ابو عاصم النبیل ضحاک بن مخلد رحمہ اللہ تعالیٰ سے چھ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ و امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد محمد بن عبد اللہ انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے تین۔ اس طرح بائیس میں سے حنفی مشائخ سے بیس روایات لی گئی ہیں۔ باقی دو روایات میں سے ایک خلاد بن یحییٰ کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ سے، دوسری عصام بن خالد حمصی رحمہ اللہ سے لی گئی ہیں۔ ان کے متعلق یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ حنفی تھے یا نہیں؟ یہ بائیس روایات سند کے اعتبار سے بائیس ہیں لیکن بلحاظ متن سترہ ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ثلاثیات کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ جن کی زیادہ تر روایات ثلاثی ہیں اور بکثرت ثنائی، جیسا کہ "مسانید امام اعظم" اور "کشف

بالآثار" سے ظاہر ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ روایۃً تابعی بھی ہیں اس لئے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انہوں نے زیارت کی ہے بلکہ روایۃً بھی ان کو تابعی کہا گیا ہے، اگرچہ اس میں اختلاف ہے، اس کے باوجود امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ثنائی اور ثلاثی روایت کو صحیح اہمیت نہیں دی جاتی جو شکایت کی بات ہے۔

بخاری کے علاوہ "ابن ماجہ" میں پانچ ثلاثی روایات ہیں۔ (ص ۳۳۳، ۳۳۷، ۳۴۰، ۳۳۸، ۳۱۷) "ترمذی" میں ایک روایت ہے۔ (۲/۵۲، رقم ۲۲۶۰) مسلم، ابو داود اور نسائی میں کوئی روایت ثلاثی نہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو "مرقاۃ" کے مقدمہ میں وہم ہوا ہے اور انہوں نے "ترمذی" کی روایت کو ثنائی کہہ دیا جب کہ وہ ثلاثی ہے۔ کتاب الفتن کی روایت ہے

"يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ اَلصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ"

(جامع ترمذی ۲/۵۲، رقم ۲۲۶۰)

لیکن جب ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مشکوٰۃ کی شرح کرتے ہوئے اس حدیث پر پہنچے تو انہوں نے "ترمذی" کی اس روایت کو ثلاثی لکھا ہے۔ (مرقاۃ ۱۰/۱۸۰) اور یہی صحیح ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے مقدمہ مرقاۃ میں اس مقام پر ایک دوسرا سہو اور ہوا ہے، انہوں نے مسلم اور ابو داود کے بارے میں اشارہ کیا ہے کہ ان دونوں میں بھی ثلاثی روایات موجود ہیں، (مرقاۃ ۱/۲۳) حالانکہ مسلم اور ابو داود میں کوئی ثلاثی روایت موجود نہیں، البتہ ابو داود میں ایک روایت رباعی فی حکم الثلاثی موجود ہے، (ابو داود ۲/۱۵۸) یعنی مصنف سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک چار واسطے ہیں، لیکن ان میں دو راوی ایک ہی طبقے کے ہیں یعنی تابعی ہیں، تو اتحاد طبقے کی وجہ سے حکماً ثلاثی کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس کا نام "رباعي في حكم الثلاثي" ہے۔ مسلم میں کوئی روایت ثلاثی نہیں، البتہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کی دوسری بعض کتابوں میں ثلاثی روایت موجود ہے۔

بخاری اور مسلم کی سب سے نازل سند وہ ہے جس میں مصنف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نو واسطے ہیں، ایسی سند کو تساعی کہا جاتا ہے۔ ترمذی اور نسائی کی سند نازل عشاری ہے۔ (تدریب الراوی ۲/۱۶۶، ترمذی محققہ ابراہیم عطوہ عوض: ۵/۱۶۷، نسائی: ۱/۱۰۵)

یعنی مصنف سے [illegible] وسلم تک دس واسطے ہیں۔ ابو داود کی سند نازل تساعی ہے۔ مسند احمد بن حنبل میں صاحب عقود اللآلی کے بقول ۳۳۷ سندیں ثلاثی ہیں۔

(عقود اللآلي في الأسانيد العوالي ص ۱۳۷)

بیسویں قسم "امالی"

امالی یہ املاء کی جمع ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ درمیان میں بیٹھ جائے اور ان کے شاگرد ان کے ارد گرد قلم دوات اور کاغذ لے کر بیٹھ جائیں۔ پھر شیخ تقریر و درس دے اور تلامذہ اس کو لکھ لیں، پھر وہ ایک کتاب بن جاتی اس کا نام "امالی" رکھ دیتے ہیں۔ پہلے یہی دستور تھا۔ اس میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "امالی" ہے۔[1]

اکیسویں قسم "مختصر"

کسی مؤلف کی تالیف کردہ کتاب کو لے کر مختصر کر دیا جائے، جیسے منذری رحمہ اللہ تعالیٰ کی "مختصر سنن ابی داؤد" اور قرطبی کی "مختصر صحیح مسلم" وغیرہ۔

بائیسویں قسم "شرح الآثار"

حدیث میں آنے والا کوئی لفظ کثیر الاستعمال ہے لیکن اس کے مدلول کی تعیین میں دقت ہے تو اس کے لئے اس نوع کی ضرورت پیش آئی ہے۔ اس میں بھی علماء نے کافی تصانیف چھوڑی ہیں، مثلاً "شرح معانی الآثار" للطحاوی، اسی طرح "مشکل الآثار" وغیرہ۔

تیئیسویں قسم "اسباب الحدیث"

اس میں حدیث کا شان ورود، اس کی جگہ اور زمانہ بتلایا جاتا ہے۔ اس فن میں

---

[1] جب طباعت کا رواج عام ہو گیا تو احادیث کی تدریس کے لئے املاء کی ضرورت باقی نہ رہی، لیکن احادیث کی تشریح اور اس کے متعلقات جو استاذ بطور تقریر بیان کرتا ہے اسے قلم بند کرنے کا دستور اب تک جاری ہے اور آج کل انہی تقاریر کو "امالی" کہتے ہیں۔ اس نوع کی بہت سی تقاریر شائع ہو چکی ہیں جیسے: فیض الباری، الکوکب الدری، لامع الدراری، درس ترمذی، تقریر بخاری، نفحات التنقیح، کشف الباری عما فی صحیح البخاری وغیرہ۔

سب سے پہلے علامہ جوزجانی نے اور پھر ابوحفص عکبری نے تصنیف کی ہے، ابن حمزہ حسینی کی کتاب "اَلْبَیَانُ وَالتَّعْرِیْفُ فِیْ أَسْبَابِ وُرُوْدِ الْحَدِیْثِ" بھی ہے جو مصر میں چھپ چکی ہے۔[1]

چوبیسویں قسم "ترتیب"

متقدمین کی اکثر تصانیف غیر مرتب تھیں، متاخرین نے اس پر سعی و کوشش کر کے ان کو مرتب کیا، مثلاً ابوالمحاسن حسینی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ترتیب "اَطْرَافُ الْمِزِّیْ عَلَی الْأَلْفَاظِ" اور حافظ مغلطائی کی ترتیب "اَلْمُبْهَمَاتُ عَلَی الْأَبْوَابِ" وغیرہ۔[2]

پچیسویں قسم "تالیف علی حروف المعجم فی الفاظ الحدیث"

یعنی حدیث کی ابتداء کس لفظ سے ہوئی، اگر حرف الف سے ہوئی ہے تو پہلے ان کو اور اگر حرف ب سے ہوئی ہے تو ان کو علیٰ ہذا القیاس۔ کی میں اور چوتھی قسم میں فرق یہ ہے کہ وہ سند کے اعتبار سے تھی اور یہ متن کے لحاظ سے۔ اس نوع میں سیکڑوں تصنیفات موجود ہیں علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "جامع صغیر" دیلمی کی "مسند فردوس" سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "مقاصد حسنہ" وغیرہ۔

---

[1] حدیث میں اس کی وہی حیثیت ہے جو تفسیر میں اسباب النزول کی ہے یعنی ان میں قولی احادیث کا سبب ورود بیان کیا جاتا ہے۔ مولانا تقی صاحب مدظلہ نے اس فن پر پہلی تصنیف امام ابوحفص عکبری کی بتلائی ہے، مگر علامہ کتانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی صاحب کشف الظنون کے بقول وہ سے نہ اس نوع کی صرف ایک کتاب باقی رہ گئی ہے جس کا نام ہے "البیان والتعریف فی اسباب ورود الحدیث الشریف" یہ علامہ ابراہیم بن محمد الشہیر بابن حمزۃ الحسینی الدمشقی الحنفی کی تالیف ہے۔

[2] اور جیسے "تَرْتِیْبُ مُسْنَدِ أَحْمَدَ عَلَی الْحُرُوْفِ لِابْنِ کَثِیْرٍ" اور "تَرْتِیْبُ مُسْنَدِ أَحْمَدَ عَلَی الْحُرُوْفِ لِابْنِ الْمُحِبِّ" اسی طرح آخری دور میں علامہ ساعاتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسند احمد کو "الفتح الربانی" کے نام سے ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔

چھبیسویں قسم "موضوعات"

یہ نوع حدیث کی اہم انواع میں سے ہے، یعنی وہ کتابیں جو موضوع اور من گھڑت حدیثوں کو بیان کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں۔[1] اس باب میں ابن جوزی

[1] شروع میں کتب موضوعات اس انداز سے لکھی جاتی تھیں کہ ضعیف راویوں کا تذکرہ کیا جاتا تھا اور ان سے جو موضوع یا ضعیف احادیث مروی ہیں ان کی نشاندہی کی جاتی تھی۔ حافظ ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "اَلْکَامِلُ"، امام عقیلی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "اَلضُّعَفَاءُ" اور امام جوزقانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "الاباطیل" اسی انداز پر ہیں۔

بعد میں موضوعات کا طریقہ یہ ہو گیا کہ موضوع یا متہم بالوضع احادیث کو ابواب کی ترتیب سے یا حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کرکے یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کو کس نے روایت کیا ہے اور اس میں سقم کیا ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلے ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قلم اٹھایا۔ ان کی دو کتابیں ہیں، ایک "اَلْعِلَلُ الْمُتَنَاهِيَةُ فِي الْأَخْبَارِ الْوَاهِيَةِ" دوسری "اَلْمَوْضُوْعَاتُ الْكُبْرٰى"۔ ان میں دوسری زیادہ مشہور ہے۔ تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ احادیث پر حکم لگانے میں نہایت متشدد ہیں اور انہوں نے بہت سی صحیح احادیث کو بھی موضوع قرار دے دیا ہے۔ اس لئے بعد کے محقق علماء نے ان کی کتابوں پر تعقیبات لکھیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں "القول المسدد في الذب عن مسند أحمد" میں ان کی بہت اچھی تردید کی ہے۔ اس میں حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مسند احمد" کی ان احادیث کی تحقیق کی ہے جنہیں ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضوع قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ جن احادیث پر ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے ان میں سے ایک حدیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہے اور ایک حدیث بخاری کی حماد شاکر والے نسخے میں بھی ہے اور ایسی احادیث تو بہت سی ہیں جو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعلیقاً روایت کی ہیں اور ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں موضوع قرار دے دیا ہے۔

پھر علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی موضوعات پر ایک مفصل تعقیب لکھی جس کا نام "النكت البديعات على الموضوعات" رکھا۔ بعد میں اس کی تلخیص کی اور اس میں اضافے کئے جو "اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة" کے نام سے معروف ہے، لیکن علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث کے معاملے میں قدرے متساہل ہیں، اس لئے بعض ضعیف یا منکر احادیث کو بھی صحیح قرار دے دیتے ہیں۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی موضوعات بھی بہت مقبول

امام ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

اور بھی بیشمار تصانیف اس موضوع پر ہیں، مثلاً قاضی شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "الفوائد المجموعۃ فی بیان الاحادیث الموضوعۃ" ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی "موضوعات کبیر" علامہ محمد طاہر پٹنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "تذکرۃ الموضوعات" اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "اللآلی المصنوعۃ" وغیرہ۔

ستائیسویں قسم "الکتب المؤلفۃ فی الادعیۃ المأثورۃ"

یعنی وہ کتابیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں مروی ہیں ان کو جمع کیا گیا ہو۔ اس میں زیادہ مشہور حافظ احمد ابن السنی رحمہ اللہ کی "عمل الیوم واللیلۃ" اور شیخ محمد بن محمد جزری رحمہ اللہ کی "الحصن الحصین" اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی "اَلْحِزْبُ الْاَعْظَمُ وَالْوِرْدُ الْاَفْخَمُ" ہے۔

اٹھائیسویں قسم "ناسخ و منسوخ"

یعنی وہ کتاب جس میں یہ بتلایا گیا ہو کہ کونسی حدیث منسوخ ہے اور کونسی ناسخ۔

دوئم ـ علامہ ابن الجوزی اور علامہ سیوطی رحمہما اللہ تعالیٰ کے بعد بہت سے حضرات نے موضوعات پر کتابیں لکھیں، جن میں ملا علی قاری رحمہ اللہ کی "الموضوعات الکبریٰ" نہایت مقبول و معروف ہے۔ آخری دور میں قاضی شوکانی رحمہ اللہ کی "الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ" اور علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "تذکرۃ الموضوعات" مختصر مگر مفید کتابیں ہیں۔

اس نوع کا جامع ترین کام علامہ ابن عراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے انجام دیا۔ انہوں نے اپنی کتاب "تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاحادیث الشنیعۃ الموضوعۃ" میں ابن جوزی، جوزقانی، عقیلی، حافظ ابن حجر، علامہ سیوطی اور ملا علی قاری رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تمام کتابوں کو جمع کر دیا ہے اور ہر حدیث کی خوب تحقیق کی ہے۔ اس طرح ان کی کتاب جامع ترین بھی ہے اور محقق ترین بھی، جو بسا اوقات پچھلی تمام کتابوں سے مستغنی کر دیتی ہے۔ اس کتاب میں علامہ ابن عراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن جوزی، جوزقانی اور سیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ احادیث میں سے صرف ان احادیث کو جمع کیا ہے جو فی الواقع موضوع ہیں۔

ایک فقیہ کے لئے اس کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ اس موضوع پر علامہ حازمی کی کتاب "کِتَابُ الاِعْتِبَارِ فِي النَّاسِخِ وَالْمَنْسُوخِ مِنَ الْآثَارِ" مشہور ہے۔ یہ کتاب حیدرآباد میں چھپ چکی ہے۔

اٹھویں قسم[1] "متشابہ الحدیث"

یعنی وہ کتاب جس میں متشابہات احادیث سے قبیل کی چیزیں ہوں ان کو جمع

---

[1] حضرت استاذ مدظلہم نے پچیس قسمیں بیان فرمائی ہیں مزید چند اقسام ان میں شامل کی جاتی ہیں:

(۲۰) ... الوحدان: یعنی ان راویوں کی احادیث کا مجموعہ جن سے صرف ایک ایک حدیث مروی ہے۔

(۲۱) ... شروح الحدیث: یعنی وہ کتابیں جن میں کسی حدیث کی کتاب کی شرح کی گئی ہو، مثلاً "فتح الباري" "عمدة القاري" وغیرہ۔

(۲۲) ... کتب المصاحف: ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں قرآن کریم کی جمع و ترتیب، اختلاف قرأت اور اختلاف رسم کی تاریخ بیان کی جاتی ہے، مثلاً ابن عامر کی "کتاب المصاحف" اس کے علاوہ بہت سے لوگوں نے "کتاب المصاحف" کے نام سے کتابیں لکھی ہیں، جن میں "کتاب المصاحف لابن اشتہ" "کتاب المصاحف ابن ابی داؤد" "کتاب المصاحف لابن الانباري" زیادہ مشہور ہیں۔ لیکن آج ان میں صرف ایک کتاب موجود ہے "کتاب المصاحف لابن ابي داؤد" جو امام ابوداؤد صاحب السنن رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے کی تالیف ہے اور کچھ عرصہ پہلے اسے ایک انگریز مستشرق نے شائع کیا ہے۔

(۲۳) ... الفہارس: وہ کتب حدیث جن میں ایک یا زائد کتابوں کی احادیث کی فہرست جمع کردی گئی ہو تاکہ حدیث کا نکالنا آسان ہو، مثلاً علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک شاگرد نے "مفتاح الصحيح البخاري" کے نام سے ایک بڑی مفید کتاب لکھی ہے، جس کے ذریعہ بخاری سے حدیث نکالنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ کا ایک جامع اور مفید کام اللہ تعالیٰ نے مستشرقین کی ایک جماعت سے لیا، جس نے "ڈاکٹر ونسنک" کی سربراہی میں سات ضخیم جلدوں پر مشتمل ایک مفصل کتاب مرتب کی ہے، جس کا نام ہے "المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوي" جس میں انہوں نے صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، سنن دارمی اور مسند احمد کی احادیث کی فہرست مرتب کی ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ حروف تہجی کے حساب سے انہوں نے ہر لفظ کے تحت یہ بیان کیا ہے کہ یہ لفظ کون کون سی حدیث میں آیا ہے اور وہ حدیث کہاں کہاں مذکور ہے، البتہ اس کتاب میں بے شک احادیث کے استیعاب پر قادر نہیں

عقیق ابھی کے واسطے یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ ان میں سے ہم کن کتابوں کی احادیث پر اعتماد کریں اور کن پر نہیں، اس لئے اب اس کی بڑی ضرورت ہے کہ کتب حدیث کے طبقات بھی ذکر کر دیے جائیں۔

یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے "عجالہ نافعہ" میں کتب حدیث کی چار قسمیں اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اتباع میں بیان فرمائی ہیں، مگر خود شاہ عبدالعزیز نے اپنی دوسری کتاب "ما یجب حفظہ للناظر"[1] میں پانچ قسمیں بیان کر دی ہیں۔

یہ بظاہر ایک تعارض ہے، لیکن حقیقت میں یہ کوئی تعارض نہیں، کیونکہ "عجالہ نافعہ" میں جو تقسیم ہے وہ شہرت و صحت ہر دو اعتبار سے ہے اور "ما یجب حفظہ للناظر" میں جو تفصیل ہے وہ صرف صحت کے اعتبار سے ہے، کیونکہ بہت سی کتب ایسی ہیں جو صحیح تو خوب ہیں مگر درجہ شہرت کو نہیں پہنچیں، جیسے "صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، منتقی الجارود" وغیرہ اور بعض کتابیں ایسی ہیں جو زیادہ صحیح تو نہیں ہیں لیکن شہرت ان کی خوب ہے جیسے "ابن ماجہ" وغیرہ۔ ہم اس جگہ "عجالہ نافعہ" کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں:

"جاننا چاہئے کہ حدیث کی کتابیں صحت، شہرت اور قبولیت کے اعتبار سے کئی طبقوں پر مشتمل ہیں۔ صحت سے ہماری مراد یہ ہے کہ مؤلف کتاب نے اس بات کی پابندی کی ہو کہ وہ صحیح یا حسن حدیثوں کے سوا اور کوئی حدیث اس میں درج نہیں کرے گا اور اگر اس میں کوئی ایسی حدیث درج کرتا ہے اور ساتھ وہ اس کے ضعف، غرابت، علت اور شذوذ کو بھی بتا دیتا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں، کیونکہ ضعیف،

"خلق افعال العباد" (مقدمہ لامع دراری: ۸۳، کشف الظنون ۱/۷۲۳)

[1] حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک شاگرد کو ایک خط لکھا جو کہ ایک مختصر رسالہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

غریب اور معلول حدیث والی نہ ہو، ان کی وضاحت کے ساتھ کتاب میں درج کرنا کسی قسم کی قباحت کا موجب نہیں۔

شہرت سے ہماری مراد یہ ہے کہ محدثین کی جماعت نے بعد والوں سے (ہر دور میں) اس کتاب کے ساتھ بطریقِ روایت، ضبط و شکل اور تخریجِ احادیث مشغول رہی ہوتی کہ اس کی مغلق چیز بیان ہونے لگی ہو۔

قبولیت سے ہماری مراد یہ ہے کہ ناقدینِ حدیث اس کتاب کو تسلیم کریں اور اس پر اعتراض نہ کریں اور اس کتاب کی حدیثوں کے متعلق مصنف کا حکم اور فیصلہ درست سمجھیں اور قبول کریں، بغیر اختلاف اور بلا جھجک اس سے استدلال کریں۔

پہلا طبقہ

اس میں حدیث کی صرف تین کتابیں داخل ہیں

1. موطا امام مالک۔
2. صحیح بخاری۔
3. صحیح مسلم شریف۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مشارق الانوار" میں انہی تین کتابوں کی شرح کی ہے۔ یہ "مشارق الانوار" صغانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "مشارق الانوار" کے علاوہ ہے جس میں "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کی حدیثوں کو ان کی سند اور تکرار حذف کرکے جمع کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثوں کی شرح اور ضبطِ الفاظ کے لئے قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "مشارق الانوار" کافی و شافی ہے۔

ان تینوں کتابوں میں باہم نسبت یہ ہے کہ "موطا امام مالک" "صحیحین" کی اصل اور ان کا ماخذ ہے اور ان کی شہرت بھی کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ امام مالک رحمہ

جائے تو "موطا" کی اکثر مرفوع حدیثیں "صحیح بخاری" میں موجود ہیں، اس اعتبار سے گویا "صحیح بخاری" "موطا" کی جامع ہے، البتہ آثار صحابہ و تابعین "موطا" میں زیادہ ہیں، لہذا ان تینوں کتابوں کو طبقہ اولیٰ میں رکھنا چاہیے۔

دوسرا طبقہ

اس میں حدیث کی وہ تمام کتابیں داخل ہیں جن کی حدیثیں ان تینوں صفتوں (صحت، شہرت اور قبولیت) میں "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کے درجہ کو نہ پہنچ سکی ہوں، لیکن مذکورہ بالا صفات میں وہ ان کے قریب قریب ہیں، جیسے جامع ترمذی، سنن ابوداود اور سنن نسائی کی حدیثیں ہیں کہ ان کے مؤلفین کا وثوق، عدالت، حفظ وضبط اور فن حدیث میں تبحر مشہور ہے، اور ان کے مؤلفین نے ان کتابوں میں تساہل اور تسامح کو ہرگز روا نہیں رکھا ہے اور جہاں تک ہو سکا حدیث کی حالت اور صحت بیان کر دی ہے۔ اسی لئے علماء اسلام میں انہیں شہرت حاصل ہے اور ان چھ کتابوں کو صحاح ستہ (چھ صحیح کتابیں) کہتے ہیں۔

ابن اثیر نے "جامع الاصول" میں انہیں چھ کتابوں کی حدیثوں کو جمع کیا ہے، اور الفاظ غریب کی شرح کی ہے، مشکلات کو ضبط کیا ہے، راویان حدیث کے ناموں اور دیگر متعلقات کو بھی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اس لحاظ سے گویا "جامع الاصول" ان چھ کتابوں کی شرح ہے، جیسے "مشارق الانوار" ان تینوں کتابوں (موطا اور صحیحین) کی شرح ہے۔

صاحب جامع الاصول نے "سنن ابن ماجہ" کو صحاح میں شمار نہیں کیا ہے اور "موطا" کو صحاح میں چھٹی کتاب قرار دیا ہے اور یہی درست ہے، لیکن حضرت والد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

فقیر کے نزدیک "مسند احمد" دوسرے طبقہ میں داخل ہے اور یہی صحیح

حدیث کے عظیم حدیث سے پہچاننے میں اصل ہے اور مدار کی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس حدیث کی اصل ہے اور کس کی اصل نہیں ہے، اگرچہ "مسند احمد" میں ضعیف حدیثیں بھی بہت ہیں، جن کا حال بیان نہیں کیا ہے تاہم جو ضعیف حدیثیں "مسند" میں پائی جاتی ہیں وہ ان حدیثوں سے بہتر نظر آتی ہیں جن حدیثوں کی متاخرین نے تصحیح کی ہے، نیز حدیث وفقہ نے ان کو اپنا پیشوا بنایا ہے اور درحقیقت "مسند" فن حدیث میں ایک رکن اعظم ہے۔ اسی طرح "سنن ابن ماجہ" گو اس کی بعض حدیثیں نہایت ضعیف ہیں تاہم اس کو بھی اسی طبقہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

تیسرا طبقہ

اس طبقہ میں وہ حدیثیں داخل ہیں جنہیں علمائے متقدمین نے جو امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ سے پہلے ہوئے ہیں یا جو ان کے معاصر تھے یا جو ان کے بعد ہوئے ہیں انہوں نے ان حدیثوں کو اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے اور صحت کا التزام نہیں کیا ہے اور ان کی کتابیں شہرت اور قبولیت میں طبقہ اولیٰ اور ثانیہ تک پہنچ نہیں سکی ہیں، اگرچہ ان کتابوں کے مولفین علوم حدیث میں ماہر اور ثقہ تھے اور ضبط وعدالت کی صفات سے متصف تھے۔ ان کتابوں میں صحیح، حسن، ضعیف حدیثیں ہی نہیں پائی جاتی ہیں بلکہ بعض ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جن پر موضوع ہونے کا اتہام ہے اور ان کتابوں کی حدیثوں کے اکثر راوی عدالت کی صفت سے متصف ہیں، بعض مستورالحال اور بعض مجہول ہیں اور اکثر وہ حدیثیں ایسی ہیں جو فقہاء کے نزدیک معمول بہ نہیں ہیں، بلکہ اجماع اور امت کا عمل ان کے خلاف ہے۔ ان کتابوں میں بھی باہم فرق مراتب ہے، بعض کتابیں بعض سے قوی تر ہیں۔ ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:

مُسْنَدِ شَافِعِیْ، سُنَنِ ابْنِ مَاجَه، مُسْنَدِ دَارِمِیْ، مُسْنَدِ اَبِیْ یَعْلٰی الْمُوْصِلِیْ، مُصَنَّفِ عَبْدِالرَّزَّاق، مُصَنَّفِ ابْنِ اَبِیْ شَیْبَه، مُسْنَدِ عَبْدِ بْنِ حُمَیْد، مُسْنَدِ اَبِیْ دَاوٗدِ طَیَالِسِیْ، سُنَنِ دَارِقُطْنِیْ، صَحِیْحُ ابْنُ حِبَّان، مُسْتَدْرَکِ حَاکِمْ، کُتُبِ بَیْہَقِیْ، کُتُبِ طَحَاوِیْ، تَصَانِیْفِ طَبْرَانِیْ.

چوتھا طبقہ

اس طبقہ میں وہ حدیثیں داخل ہیں جن کا قرون اولیٰ (دور صحابہ و تابعین) میں نام و نشان نہیں ملتا، مگر متاخرین علماء نے ان حدیثوں کو نقل کیا ہے ان کے متعلق دو ہی صورتیں ممکن ہیں، یا تو سلف صالحین نے ان کی چھان بین کی ہے اور انہیں اس کی کوئی اصل نہ ملی کہ وہ ان کو روایت کرتے، یا اس کی کوئی اصل تو پائی مگر ان میں علت اور قباحت دیکھ کر روایت سے گریز کیا، بہر حال دونوں صورتوں میں ان حدیثوں پر سے اعتماد اٹھ گیا اور وہ اس قابل نہ رہیں کہ کسی عقیدہ یا عمل کے ثبوت کے لئے انہیں دلیل بنایا جائے، ایسی ہی باتوں کے لئے بعض مشائخ نے کیا خوب کہا ہے

فَاِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِیْ فَتِلْكَ مُصِیْبَةٌ
وَاِنْ كُنْتَ تَدْرِیْ فَالْمُصِیْبَةُ اَعْظَمُ

ترجمہ: ”پس اگر تو نہیں جانتا تو یہ بھی مصیبت ہے، اور اگر جانتا ہے تو بہت بڑی مصیبت ہے۔“

اس قسم کی حدیثوں نے بہت سے محدثین کو غلطی میں مبتلا کیا ہے اور ان کتابوں میں حدیثوں کی بکثرت سندیں دیکھ کر دھوکا کھا گئے اور ان کے متواتر ہونے کا حکم لگا بیٹھے اور جزم و یقین کے مواقع پر طبقہ اولیٰ اور ثانیہ کی حدیثوں کو چھوڑ کر اس قسم کی حدیثوں کو سند قرار دے کر ایک نیا مذہب بنایا ہے۔ اس قسم کی حدیثوں کی کتابیں

بڑی تصنیف ہوئی ہیں۔ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

کتاب الضعفاء از ابن حبان، تصانیف حاکم، کتاب الضعفاء از عقیلی۔ کتاب الکامل از ابن عدی، تصانیف ابن مردویہ، تصانیف خطیب، تصانیف ابن شاہین، تفسیر ابن جریر، فردوس دیلمی، (بلکہ ان کی تمام تصانیف) تصانیف ابی نعیم، تصانیف جوزقانی، تصانیف ابن عساکر، تصانیف ابو الشیخ، اور تصانیف ابن النجار۔

مناقب و مثالب کے بیان میں اکثر حدیثیں گھڑی گئی ہیں اور صحت میں تساہل سے کام لیا گیا ہے، اسی طرح تفسیر اور اسباب نزول کے بیان میں تاریخ اور بنی اسرائیل کے واقعات اور انبیاء سابقین کے قصوں میں، شہروں کے فضائل، کھانے پینے کی چیزیں، اور حیاتات کے تذکرہ میں اکثر موضوع حدیثیں ہیں۔ طب، ٹوٹکے، جھاڑ پھونک، عزیمتوں اور دعوات میں اور نوافل کے اجر وثواب میں بھی اس قسم کا واقعہ پیش آتا ہے۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے "کتاب الموضوعات" میں اس قسم کی بیشتر حدیثوں پر جرح وقدح کی ہے اور ان کے موضوع ہونے کے دلائل پیش کیے ہیں اور "کتاب تنزیہ الشریعہ" ایسی حدیثوں کی نشاندہی کے لئے کافی ہے۔

اکثر شاذ ونادر مسائل جیسے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا اسلام لانا، یا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پیروں پر مسح کرنے کی روایتیں، یا انہی جیسے شاذ و نادر مسائل انہی کتابوں کی حدیثوں سے نکلے ہیں اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسائل ونوادر کا سرمایہ یہی کتابیں ہیں، لہٰذا ان کتابوں کی حدیثوں میں مشغول رہنا اور ان سے احکام کا استنباط کرنا مفید کام نہیں ہے۔

اس پر بھی اگر کسی کے دل میں ان کتابوں کی تحقیق کی خواہش ہو تو ان حدیثوں کے راویوں کا پتہ چلانے کے لئے علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "میزان الاعتدال" اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "لسان المیزان" اس کے کام آسکتی ہے۔

اور الفاظِ غریب کی شرح، مادوں کی تحقیق اور حدیثوں کی توجیہات کے لئے شیخ محمد طاہر بوہرہ گجراتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "مجمع البحار" سب سے بے پرواہ کردیتی ہے۔[1]

شروط الائمۃ الستۃ

شروط ائمہ: حضرات ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں کے بارے میں کسی قسم کی شرائط کی وضاحت نہیں کی، البتہ بعد والوں نے اس میں غور وفکر کرکے شرائط کی تعیین کی ہے۔ اس موضوع پر علامہ حازمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ کافی وشافی ہے۔[2]

خلاصہ یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ دو چیزیں بنیادی طور پر ملحوظ ہوتی ہیں:

1. .... راوی کی ذات۔
2. .... اپنے شیخ سے تعلق۔ ان دونوں باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کل پانچ صورتیں نکلتی ہیں:

1. .... حفظ واتقان میں نہایت درجہ (یعنی انسان کے لئے جس درجہ کا حفظ ممکن ہوتی احادیث کا اور اس کو محفوظ رکھنا اور اس کو صاف شفاف لکھا ہو سکے، اس کا اہتمام کرنا) مع طول الملازمۃ للشیخ۔
2. .... حفظ واتقان میں غایت درجہ، البتہ صحبت شیخ میں کمی ہوئی ہو۔
3. .... ضبط واتقان میں کمی آئے، لیکن شیخ کی صحبت میسر رہی۔
4. .... ضبط واتقان اور صحبت شیخ دونوں میں کمی آئے۔
5. .... الضعفاء والمجاہیل ضعف تو وہ جس کو ساری دنیا جانتی ہو، لیکن احوال متردد

---

[1] فوائد جامعہ برعجالۂ نافعہ از ص ۳۲ تا ص ۳۸۔

[2] علامہ ابوبکر حازمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ "شروط الائمۃ الخمسۃ" قاہرہ سے ۱۳۵۷ھ میں علامہ کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیقات کے ساتھ شائع ہوچکا ہے۔ انتہائی مفید اور مطالعہ کے لئے ناگزیر ہے۔ علامہ حازمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ص ۴۳ پر ان شرائط کو بیان کیا ہے

ہوں اور مجہول جس کے احوال ہی معلوم نہیں۔

❶ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جامع اصول میں (یعنی جو روایت حَدَّثَنَا کہہ کر لاتے ہیں) اول درجہ کی روایت لاتے ہیں اور متابعات میں (یعنی تَابَعَهُ فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ) دوسرے درجہ والے کی روایت بھی لاتے ہیں اور ترجمۃ الباب میں تیسرے درجہ کے راویوں تک کی روایت بھی لیتے ہیں۔

❷ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے یہاں ابواب معہود ذہنی ہیں۔ کیف ما اتفق روایات کو جمع نہیں کیا ہے۔ اصول میں اول اور دوسرے درجہ کے راویوں سے روایت لیتے ہیں، البتہ متابعات میں یعنی جب محدث یہ مشغلہ کہ ہر حدیث کی دوسری سند پیش کرتے ہیں، یا اس حدیث سے متعلق کسی چیز کو نقل کرنے کے لئے مستقل سند سے روایت لاتے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دونوں حضرات پہلے تین درجہ کے راویوں کی روایت کو لیتے ہیں۔

❸ امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ اول، دوم، سوم تین درجہ کے راویوں کی روایت لاتے ہیں اور ضرورت کے وقت چوتھے درجہ کے راوی سے روایت بھی لیتے ہیں اور وہاں "قال ابوداؤد" کہہ کر کے تضعیف بھی کرتے ہیں۔

❹ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ جرح و تعدیل میں "ترمذی" اور "ابوداؤد" سے بھی اونچے ہیں۔ یہی کتاب میں عامۃً اول، دوم، سوم درجہ کے راویوں سے روایت لیتے ہیں۔ دوسری کتابوں میں ان کے اقوالِ جرح و تعدیل بکثرت آتے ہیں، لیکن خود ان کی کتاب میں نہیں۔

❺ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اول، دوم، سوم، چہارم درجے کے راویوں کی روایت عامۃً لی ہیں اور بوقت ضرورت پانچویں درجہ کے راوی سے بھی روایت لیتے ہیں اور وہاں نقد کرتے ہیں۔ تمام احادیث پر انہوں نے حکم اپنی تجویز کردہ اصطلاح کے مطابق لگادیا ہے تاکہ پڑھنے والے کو حدیث شریف کا درجۂ ثبوت معلوم

ہوجائے۔ یہ کل پانچ حضرات ہوئے۔

❻ نمبر چھ کے سلسلے میں امت میں کافی اختلاف رہا۔ پہلے ایک زمانہ تک صحاح ستہ میں "موطا امام مالک" بھی شامل تھی، پھر ایک زمانہ وہ آیا جس میں صحاح ستہ میں "سنن دارمی" کا شمار ہونے لگا۔ اس کے بعد سب سے پہلے شیخ ابن طاہر مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "ابن ماجہ" کو صحاح ستہ میں شامل کیا، پھر ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تجدید کی اور "ابن ماجہ" کو بھی شامل فرمایا، اس لئے "ابن ماجہ" کے رواۃ پر عامۃً زیادہ بحث وتحقیق نہیں ہوئی، البتہ غور وخوض سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ عامۃً پانچوں اقسام کے راویوں کی روایت لیتے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ راویوں کے سلسلہ میں امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ کے بعد امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام ہے، پھر امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ، پھر امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اور پھر امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

تقسیم حدیث

حدیث دو قسم پر ہے: ① متواتر، ② خبر واحد۔

تعریف متواتر: خبر متواتر وہ حدیث ہے جس کے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر کثیر ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کرنے کو عقل سلیم محال سمجھے۔

خبر واحد: خبر واحد وہ حدیث ہے جس کے راوی اس قدر کثیر نہ ہوں۔

اقسام خبر واحد

خبر واحد مختلف اعتبار سے کئی قسموں پر ہے۔

پہلی قسم:

خبر واحد اپنے منتہیٰ کے اعتبار سے تین قسم پر ہے:

مرفوع، موقوف، مقطوع۔

۱ ...... مرفوع: مرفوع وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

۲ ...... موقوف: وہ حدیث ہے جس میں صحابی کے قول یا فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

۳ ...... مقطوع: وہ حدیث ہے جس میں تابعی کے قول یا فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

خبرِ واحد کی دوسری قسم:

خبرِ واحد عدد رُواۃ کے اعتبار سے تین قسم پر ہے:

مشہور، عزیز، غریب۔

۱ ...... مشہور: مشہور وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر زمانے میں تین سے کم نہ ہوں۔

۲ ...... عزیز: عزیز وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر زمانے میں دو سے کم کبھی نہ ہوں۔

۳ ...... غریب: غریب وہ حدیث ہے جس کے راوی کہیں نہ کہیں ایک ہو۔

خبرِ واحد کی تیسری تقسیم:

خبرِ واحد اپنے راویوں کی صفات کے اعتبار سے سولہ اقسام پر مشتمل ہے:

صحیح لذاتہ، حسن لذاتہ، ضعیف، صحیح لغیرہ، حسن لغیرہ، موضوع، متروک، شاذ، محفوظ، منکر، معروف، معلل، مضطرب، مصحف، مقلوب، مدرج۔

۱ ...... صحیح لذاتہ: وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل، کامل الضبط ہوں اور اس کی سند متصل ہونے کے ساتھ معلل اور شاذ ہونے سے محفوظ ہو۔

۲ ...... حسن لذاتہ: وہ حدیث ہے جس کے راوی میں صحیح لذاتہ کے راوی سے ضبط کم درجہ کا ہو، باقی سب شرائط صحیح لذاتہ کے ہیں۔

۴ ...... ضعیف: وہ حدیث ہے جس کے راوی میں صحیح اور حسن کے شرائط نہ پائے جائیں۔

۵ ...... صحیح لغیرہ: اس حدیث حسن لذاتہ کو کہا جاتا ہے جس کی سندیں متعدد ہوں۔

۶ ...... حسن لغیرہ: اس حدیث ضعیف کو کہا جاتا ہے جس کی سندیں متعدد ہوں۔

۷ ...... موضوع: وہ حدیث ہے جس کے راوی پر حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جھوٹ بولنے کا طعن موجود ہو۔

۸ ...... متروک: وہ حدیث ہے جس کا راوی متہم بالکذب ہو، یا وہ روایت قواعد معلومہ فی الدین کے خلاف ہو۔

۹ ...... شاذ: وہ حدیث ہے جس کا راوی خود ثقہ ہو مگر ایک ایسی جماعت کی مخالفت کرتا ہو جو اس سے زیادہ ثقہ ہو۔

۹ ...... محفوظ: وہ حدیث ہے جو شاذ کے مقابل ہو۔

۱۰ ...... منکر: وہ حدیث ہے جس کا راوی باوجود ضعیف ہونے کے جماعت ثقات کے مخالف روایت کرے۔

۱۱ ...... معروف: وہ حدیث ہے جو منکر کے مقابل ہو۔ (یعنی ثقات کی حدیث)

۱۲ ...... مضطرب: وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن میں ایسا اختلاف ہو کہ اس میں ترجیح یا تطبیق نہ ہو سکے۔

۱۳ ...... مقلوب: وہ حدیث ہے جس میں راوی نے بھول سے متن یا سند میں تقدیم یا تاخیر کر دی ہو، یعنی لفظ مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر دیا ہو، یا ایک راوی کی جگہ دوسرے راوی کا نام رکھ دیا ہو۔

۱۴ ...... مصحف: وہ حدیث ہے جس میں باوجود صورت خطی باقی رہنے کے لفظوں و حرکتوں و سکونوں کے تغیر کی وجہ سے لفظ میں غلطی واقع ہو جائے۔ کبھی تصحیف راوی

میں ہوتی ہے، جیسے شعبہ کی وہ حدیث جس کو انہوں نے عوام بن مرزجم (بالراء والجیم) سے نقل کیا ہے، اس کو یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ نے غلطی سے مراجم کے بجائے مزاحم (بالزاء والحاء) ذکر کیا ہے۔

کبھی تصحیف حدیث میں ہوتی ہے جیسے حدیث میں:

"مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَاَتْبَعَهٗ سِتًّا مِّنَ الشَّوَّالِ"

کو بعض راوی نے "شَيْئًا" (بالشین المعجمہ) ذکر کیا ہے۔

۵ ... مدرج: وہ حدیث ہے جس میں کسی جگہ راوی نے اپنا کلام درج کیا ہو۔

۶ ... معلل: وہ حدیث ہے جس میں کوئی ایسی چھپی ہوئی بیماری ہو جس کو کوئی ماہر فن ہی جان سکتا ہے۔

خبر واحد کی چوتھی تقسیم

خبر واحد سقوط وعدم سقوط راوی کے اعتبار سے سات قسم پر ہے:

متصل، مسند، منقطع، معلق، معضل، مرسل، مدلس۔

۱ ..... متصل: وہ حدیث ہے جس کی سند میں سارے راوی مذکور ہوں کوئی راوی حذف نہ ہو۔

۲ ... مسند: وہ حدیث ہے کہ اس کی سند آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔

۳ .... منقطع: وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان راوی گرا ہوا ہو۔

۴ ... معلق: وہ حدیث ہے جس کی سند کے شروع سے ایک یا زیادہ راوی گرے ہوئے ہوں۔

۵ ... معضل: وہ حدیث ہے جس کی سند میں ایک سے زیادہ راوی پے در پے گرے ہوئے ہوں۔

❻ ... مرسل: وہ حدیث ہے جس کی سند کے آخر سے کوئی راوی گرا ہوا ہو، یعنی صحابی۔

❼ ... مدلس: وہ حدیث ہے جس کی روایت میں راوی نے اپنے شیخ یا شیخ کے شیخ کا نام چھپا دیا ہو۔

خبرِ واحد کی پانچویں تقسیم:

خبرِ واحد صیغۂ ادا کے اعتبار سے دو قسم پر ہے:

معنعن، مسلسل۔

❶ ..... معنعن: وہ حدیث ہے جس کی سند میں لفظ "عن" ہو اس کو "معنعن" کہا جائے گا۔

معنعن کے متصل ہونے کی شرط: اگر راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ممکن ہو اور راوی تدلیس سے بری ہو، ایسے راوی کے "عن" کو متصل مانا جائے گا، اس کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجیح دی ہے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم از کم ایک مرتبہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ثابت ہو تب اس کو متصل مانا جائے گا۔ اس مسلک کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقدمہ میں رد کردیا ہے اور ترجیح میں لہجہ تیز تر ہوگیا ہے[1]

❷ مسلسل: وہ حدیث ہے جس کو تمام راویوں نے شروع سے لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک حالت پر بیان کیا ہو، مثلاً تمام راویوں نے اول سے آخر سند تک "سَمِعْتُ فُلَانًا يَقُوْلُ" ذکر کیا۔ "أَخْبَرَنَا فُلَانٌ وَاللّٰهِ قَالَ أَخْبَرَنَا فُلَانٌ وَاللّٰهِ" اخیر تک سب نے یہی لفظ ذکر کیا ہو۔ اس کو مسلسل قولی کہا جاتا ہے۔

اور کبھی تسلسل فعلی ہوتا ہے، جیسے حدیث "مُسَلْسَلٌ بِضِيَافَةِ الْأَسْوَدَيْنِ"

---

[1] دیکھئے "فیض المنعم شرح مقدمہ مسلم ص ۱۳۷"۔

(یا مشتمر) کہ ہر راوی نے بعد کے شاگرد کو ماء تمر دیا[1] اور کبھی تسلسل قولاً و فعلاً دونوں طرح ہوتا ہے، جیسے حدیث:

"اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ"

ابوداؤد، مسند احمد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ راوی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ مجھے تم سے محبت ہے ہر نماز کے بعد کہا کرو "اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ ....." الخ دیکھو اس حدیث میں ہاتھ پکڑنا فعل ہے اور قل کہہ کر تلقین کرنا قول ہے، ان دونوں کا اہتمام تمام راویوں نے کیا ہے۔[2]

عمرو بن شعیب والی روایت کی تحقیق

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ، والی سند کی تحقیق

نسب: ..... عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص۔

عمرو ... صدوق، صغار تابعین میں آپ کا شمار ہے۔ آپ کی وفات سن ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے قدر کے ضمن میں آپ سے روایت لی ہے[3] ان کے علاوہ مؤلفین سنن اربعہ بھی آپ سے روایت کرتے ہیں "عن ابیہ ای شعیب صدوق۔" اپنے دادا اور کبار تابعین سے سماع ثابت ہے۔ مذکورہ بالا حضرات نے آپ سے روایت لی ہے "عن جدہ" یعنی باپ کے دادا۔ اس ضمیر کا مرجع شعیب

---

[1] ترمذی کی روایت ہے کہ ہر راوی نے اپنے شاگرد کو کھجور کھلائی اور پانی پلایا اور یہ حدیث سنائی: "اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ" (ترمذی: ۲/۱۴، باب ما جاء فی رحمۃ الصبیان ابواب البر والصلۃ)

[2] ابوداؤد، باب فی الاستغفار، کتاب الوتر، رقم الحدیث ۱۵۲۲۔

نوٹ: اصطلاحات حدیث اور ان کی تعریفات کے لئے دیکھئے "نخبۃ الفکر" "مقدمہ مشکوۃ" "مظاہر حق" "مقدمہ اعلاء السنن" "نزھۃ النظر" "تدریب الراوی" "توجیہ النظر" "خیر الاصول فی حدیث الرسول" وغیرہ۔

[3] بخاری: ۱/۵۵۳۔

ہے۔ عمرو تابعی اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ ”دارقطنی“ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ:

”میں نے ابوبکر نقاش کو سنا وہ کہتے تھے کہ عمرو بن شعیب تابعی نہیں ہیں، لیکن ان سے بیس تابعین نقل روایت کرتے ہیں۔“

امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

”جب اس امر کی میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ تیس سے بھی زائد حضرات ان سے روایت نقل کرتے ہیں۔“

ابن صلاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

”میں نے حافظ ابو موسیٰ اصفہانی کی قلم سے لکھی ہوئی بات پڑھی کہ عمرو بن شعیب تابعی نہیں تھے لیکن بیس سے زیادہ تابعین ان سے نقل کرتے ہیں۔“

حقیقت میں یہ سب وہم ہے، چونکہ عمرو بن شعیب دو صحابیہ سے نقل کرتے ہیں، ربیع بنت معوذ بن عفراء اور زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ) معلوم ہوا کہ عمرو بن شعیب تابعی ہیں۔

محدثین اختلاف کرتے ہیں ”عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ“ والی سند سے احتجاج صحیح ہے یا نہیں؟ محقق قول یہی ہے کہ مطلقاً قابل حجت ہے۔ اور یہ محمد جو سند میں مذکور ہے ایک حدیث کے علاوہ ان سے کوئی بات مروی نہیں اور وہ حدیث بھی اسی سند سے ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو روایت نقل کی ہے:

”عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ

[1] یہ کلام حافظ نے نقل کیا ہے، لسان المیزان ۸/۲۱۸، رقم: ۴۷۲۶

[2] دیکھئے ترمذی، کتاب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی زکوٰۃ مال الیتیم۔ معارف السنن: ۵/۲۴۷، نصب الرایۃ: ۲/۳۳۲

عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا "مَرْفُوعًا أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ"[1]

مقدمۃ الکتاب

امرِ اول غرض: جیسا کہ علمِ حدیث کی غرض وغایت ہوتی ہے ایسے ہی کتاب کی بھی غرض وغایت ہوتی ہے، چنانچہ صاحبِ مشکوٰۃ شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی غرض اس کتاب سے یہ ہے کہ علامہ محی السنہ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علمِ حدیث میں ایک کتاب "مصابیح" نامی تصنیف فرمائی تھی جس میں مؤلف نے تمام اہم احادیث کو جس کا جاننا ایک طالبِ آخرت کے لئے ضروری ہو جمع کر دیا، لیکن مؤلف مصابیحؒ نے اختصار کی نیت سے ان احادیث کی اسانید کو حذف کر دیا تھا تو بعض ناقدین نے ان پر سخت کلام کیا، حالانکہ مؤلف مصابیح خود ثقات علماء میں سے ہونے کی وجہ سے ان کا نقل کرنا ہی سند کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن پھر بھی ان کی نشاندہی میں جو بات ہے وہ ان کو بے حوالہ چھوڑنے میں نہیں، اس لئے مؤلف مشکوٰۃ نے ان احادیث کا حوالہ بھی بیان کر دیا اور ان میں کچھ اضافہ بھی اپنی طرف سے فرمایا۔ یہ ہے کتاب "مشکوٰۃ" کی غرض۔[2]

امرِ ثانی وجہ تسمیہ

اس کتاب کا نام ہے "مشکوٰۃ المصابیح"۔ "مشکوٰۃ" لغت میں اس طاق کو کہتے ہیں جس میں چراغ رکھا جائے اور "مصابیح" جمع ہے "مصباح" کی۔ اس کتاب

---

[1] ابن حبان ٣٥٢/٦۔

[2] مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ علامہ حسین بن عبداللہ بن محمد طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے آپ کو اس کام کرنے کے لئے آمادہ کیا، روایات کی تخریج کی اور تحقیق میں بھی عمدہ معاونت کے ساتھ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کام بھی کیا۔ (مقدمہ شرح الطیبی الکاشف عن حقائق السنن: ١/٢٤)

کا نام مشکوٰۃ اس لئے رکھا گیا کہ طاق میں نور مجتمع ہوتا ہے تو اس میں قوت آتی ہے بخلاف کھلی جگہ میں اگر چراغ رکھا جائے تو نور میں وہ قوت نہ ہوگی۔ اسی طرح احادیث کے رُواۃ کا نام جب تک نہ معلوم ہو وہ منتشر ہوگی اور جب راوی کا نام معلوم ہو جائے تو وہ منضبط ہوگی۔ یہ وجہ تسمیہ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بتلائی ہے۔[1]

اور علامہ میرک رحمہ اللہ تعالیٰ نے وجہ تسمیہ یہ بتلائی ہے کہ مشکوٰۃ یہ مصابیح کی احادیث کو گھیرے ہوئے ہے اور اپنے اندر لئے ہوئے ہے، جیسا کہ طاق اپنے اندر چراغ کو لئے ہوئے ہوتا ہے اور گھیرے ہوتا ہے۔

ایک تیسری وجہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ: مصابیح سے مراد وہ تمام احادیث ہیں جو اس کتاب میں مذکور ہیں، چاہے وہ محی السنۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کی "المصابیح" سے لی ہوں یا اس کے علاوہ سے اور ان احادیث کو مصابیح سے تعبیر اس لئے کیا کہ یہ نورانی نشانیاں اور واضح علامتیں ہیں جو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک سے ظاہر ہوئیں تاکہ اس کے ذریعہ آپ کی امت گمراہی کے جنگل اور جہالت کے صحراء میں راہ حاصل کرلے، چنانچہ اسی بنیاد پر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں:

"أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ"[2]

کہا گیا ہے اور چونکہ ان کی یہ کتاب ان احادیث کو جو مصابیح ہدایت ہیں جامع تھی اس لئے اس کو "مشکوٰۃ" سے تشبیہ دی۔[3]

---

[1] حوالہ بالا: ۱/۸۸۔

[2] مشکوٰۃ ص ۵۵۴، باب مناقب الصحابۃ۔

[3] مرقاۃ: ۱/۲۷۔

وَلِلّٰهِ دَرُّ مَنْ قَالَ مِنْ أَرْبَابِ الْحَالِ ؎

لَئِنْ كَانَ فِي الْمِشْكٰوةِ يُوْضَعُ مِصْبَاحٌ — فَذٰلِكَ مِشْكٰوةٌ وَّ فِيْهَا مَصَابِيْحُ

وَلٰكِنَّهَا مِنَ الْأَنْوَارِ مَا شَاعَ نَفْعُهَا — لِهٰذَا عَلٰى كُتُبِ الْأَنَامِ تَرَاجِيْحُ

آپ اپنے زمانے کے مشہور محدث، مفسر اور بلند پایہ[1] تھے۔ آپ نے فقہ میں قاضی حسین بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں اور شافعی المسلک ہیں اور حدیث میں ابوالحسن عبدالرحمٰن بن محمد داؤدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں، جو زمرۂ محدثین میں داخل ہیں۔ عبدالواحد صیرفی اور علی بن یوسف جوینی رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی علم حاصل کیا ہے۔

تمام عمر تصنیف و تالیف اور حدیث و فقہ کے درس میں مشغول رہے۔ نہایت باوضو درس دیتے اور زہد و قناعت میں زندگی گزارتے تھے۔ افطار کے وقت خشک روٹی کے ٹکڑے پانی میں تر کر کے کھاتے تھے، جب لوگوں نے اصرار کے ساتھ کہا کہ خشک روٹی کھانے سے دماغ میں خشکی پیدا ہو جائے گی تو سالن کے طور پر روغن زیتون استعمال کرنے لگے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی بیوی کا انتقال ہوا اور کافی مال چھوڑ کر وفات پائی، لیکن آپ نے ان کی میراث میں سے کوئی چیز نہیں لی۔

جب آپ نے "شرح السنۃ" تصنیف کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تو نے میری احادیث کی شرح کر کے میری سنت کو زندہ کر دیا، اسی دن سے آپ کا لقب محی السنۃ مشہور ہو گیا۔

ماہ شوال میں بمقام مرو وفات پائی، اپنے استاذ قاضی حسین رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس مقبرہ طالقان میں مدفون ہوئے۔ وہاں آپ کی قبر مشہور و معروف ہے۔ عمر اسی (۸۰) سال سے متجاوز تھی۔[3]

آپ نے متعدد تصانیف فرمائی ہیں۔ تفسیر میں "مَعَالِمُ التَّنْزِیْل" فقہ میں "تَرْجَمَةُ الْأَحْکَام" "تَهْذِیْبُ فَتَاوِی بَغْوِیَّة" حدیث میں "شَرْحُ السُّنَّة"

اضافہ کیا جاتا ہے۔ (اشعۃ اللمعات ۱/۲۷، مرقاۃ ۱/۲۰)

[2] ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: "کان مفسرا محدثا فقیها وکان ماهرا في علم القراءة" (مرقاۃ ۱/۲۰)

[3] آپ کی وفات ۵۱۶ھ میں ہوئی۔ (اشعۃ اللمعات ۱/۲۷، معجم البلدان ۴/۵۶)

ہیں اور خطیب تبریزی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مشہور ہیں۔ اپنے وقت کے محدث، علامہ اور فصاحت وبلاغت کے امام تھے۔ حدیث میں آپ کا امتیازی پایہ "مشکوۃ" سے ظاہر ہے۔ مبارک شاہ، صاوی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں۔

آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور یہی "مشکوۃ" ہے، جس میں صحاح کے علاوہ دوسری کتابوں کی حدیثیں بھی جمع ہیں۔ یہ نہایت مقبول ومتداول کتاب ہے۔ ہندوستان میں تو ایک مدت تک "مشکوۃ" اور "مشارق الانوار" ہی حدیث کا کمالِ معراج رہی ہیں اور اب بھی جبکہ صحاح ستہ فنِ حدیث کی تکمیل کے لئے ضروری قرار پا چکی ہیں "مشکوۃ" بھی دورۂ حدیث سے قبل لازمی ہے، کیونکہ کسی زمانہ میں "مشکوۃ" کو قرآن کی طرح زبانی یاد کیا جاتا تھا۔

مصابیح میں صرف احادیث مذکور تھیں۔ راوی کا نام، تخریج حدیث، صحت وضعف اور حسن وغیرہ کا تذکرہ نہیں تھا۔ صاحب مشکوۃ نے جملہ امور بیان کئے اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ حدیث کس کتاب کی ہے، چنانچہ تیرہ اصحاب حدیث کا خصوصی ذکر کیا: ۱ تا ۶/ اصحاب صحاح ستہ، امام مالک، شافعی، احمد، دارمی، دار قطنی، بیہقی اور ابوالحسن رزین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

پھر صرف صاحب مصابیح کے لکھنے پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اصول کی ان تمام کتابوں میں روایات کا اختلاف مقابلہ کرکے نقل کیا ہے اور جہاں جہاں صاحب مصابیح نے احادیث کو غریب یا ضعیف یا منکر قرار دیا ہے مصنف نے اس کا سبب بھی ظاہر کردیا۔ صاحب مصابیح نے ہر باب کے تحت دو فصلیں قائم کی تھیں۔ فصل اول میں صحیحین کی حدیث لائے ہیں جن کو صحاح کے نام سے تعبیر کیا ہے اور فصل ثانی میں ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ کی احادیث لائے ہیں جن کو حسان کے نام سے یاد کیا ہے۔ صاحب مشکوۃ نے اکثر وبیشتر ہر باب میں تیسری فصل کا اضافہ کیا ہے، جس میں صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث کی احادیث بھی لائے ہیں، نیز

احادیث کے علاوہ صحابہ اور تابعین کے اقوال وافعال بھی جو باب کے مناسب تھے جمع کردیے ہیں۔

مشکوۃ کی احادیث، کتب، ابواب

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "بستان المحدثین"[1] میں بیان کیا ہے کہ:

"مصابیح" کی احادیث: ۴۴۸۴ر ہیں۔ (ابن ملک نے بھی یہی تعداد بیان کی ہے) اس پر صاحب مشکوۃ نے: ۱۵۱۱ر کا اضافہ کیا ہے تو "مشکوۃ" کی کل احادیث: ۵۹۹۵ر ہوئیں۔

لیکن صاحب مظاہر حق رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مصابیح" کی احادیث: ۴۴۳۴ر مانی ہیں[2]۔ اس اعتبار سے "مشکوۃ" کا مجموعہ: ۵۹۴۵ر ہے۔

"تاریخ الحدیث" میں ہے کہ "مشکوۃ" میں: ۲۹ر کتابیں: ۳۲۷ر ابواب اور: ۱۰۳۸ر فصلیں ہیں۔[3]

صاحب مشکوۃ کا سن وفات معلوم نہ ہوسکا، البتہ یہ ضرور ہے کہ ۷۳۷ھ کے بعد وفات ہوئی ہے، کیونکہ بروز جمعہ ماہ رمضان ۷۳۷ھ میں تو اس تالیف سے فراغت ہوئی ہے، جیسا کہ صاحب مشکوۃ نے آخر کتاب میں تصریح کی ہے، بلکہ میں کہتا ہوں کہ ۷۴۰ھ کے بعد وفات ہوئی ہے، اس لئے کہ "اکمال فی رجال المشکوۃ" بھی خود انہیں کی تالیف ہے اور اس سے ۲۷ر رجب ۷۴۰ھ میں فارغ ہوئے ہیں، چنانچہ صاحب تاریخ الحدیث نے ۷۴۰ھ مانا ہے اور بعض حضرات نے اندازہ لگا کر ۷۴۸ھ بتایا ہے۔

---

[1] دیکھئے صفحہ نمبر ۱۰۴ حاشیہ نمبر (۲)۔

[2] مظاهر حق جديد: ۴۲/۱.

[3] كشف الظنون: ۱۷۰/۲.

شروح، حواشی وتراجم

"مشکوٰۃ" کی بھی بہت سے لوگوں نے شرحیں لکھی ہیں، جن میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی:

❶ "مرقاۃ المفاتیح" احناف کے لئے بڑی اچھی ہے۔ ہندوستان میں بھی اس کتاب کی مختلف شرحیں کی گئی ہیں۔

❷ ... شرح الطیبی: امام الکبیر شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۷۴۳ھ نے بہترین اور جامع شرح لکھی جو تمام شروحات کا مرجع بھی جاتی ہے۔

❸ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے شیخ سعید رحمہ اللہ تعالیٰ کا "مشکوٰۃ" پر ایک حاشیہ ہے۔

❹ ... "اللمعات": حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک شرح عربی میں مبسوط لکھی۔

❺ "اشعۃ اللمعات" یہ فارسی میں مختصر شرح ہے۔

❻ ... "ذریعۃ النجاۃ": اسی طرح شیخ عبدالنبی عماد الدین رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۰۳۰ھ نے "ذریعۃ النجاۃ" نامی ایک شرح لکھی ہے۔

❼ ..... "زینۃ النکات": اسی طرح سید ابو المجد محبوب عالم بن سید جعفری احمد آبادی متوفی ۱۱۱۱ھ نے "زینۃ النکات" نامی شرح لکھی ہے۔

❽ ... "مظاہر حق": ایک اردو شرح نواب قطب الدین خان محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۲۸۹ھ نے "مظاہر حق" نامی لکھی جو بہت مقبول ہے۔

❾ ... اس کا ایک اردو ترجمہ جلد اول مولانا کرامت علی جونپوری متوفی ۱۲۹۰ھ نے کیا ہے۔

❿ ... "الرحمة المهداة" اور ایک اردو ترجمہ پوری کتاب کا نواب صدیق حسن خان کے صاحبزادے نور الحسن نے "الرحمة المهداة" نامی کیا ہے۔

⓫ "التعليق الصبيح" درسی حاشی ترتیب میں اس کی ایک عربی شرح مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۳۹۴ھ نے "التعليق الصبيح" نامی کی ہے۔

⓬ ... "مرعاة المفاتيح" اور ایک عربی شرح "مرعاة المفاتيح" نامی مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری (اہل حدیث) نے لکھی ہے۔[1]

نوعِ مشکوٰۃ

امر رابع نوع: یہ کتب حدیث کی جو انواع بیان ہوئیں اس اعتبار سے "مشکوٰۃ" مصنف، تخریج اور تحقیق ہے۔

امر خامس مرتبہ: "مشکوٰۃ" کا مرتبہ فن درس و تعلیم کے اعتبار سے کتب حدیث میں سب سے پہلے ہے، اسی لئے کہ یہ دورۂ حدیث سے پہلے پڑھائی جاتی ہے۔

امر سادس قسمت و تبویب: کتاب کی تقسیم و تبویب وہ فہرست ہے جو کتابوں کے شروع میں یا آخر میں لگا دیتے ہیں کہ فلاں مضمون فلاں صفحہ پر ہے وغیرہ باب

---

[1] ⓭ ... "تنظيم الاشتات لحل عويصات المشكوٰة" حضرت مولانا ابو الحسن صاحب شیخ الحدیث دار العلوم ... کی جو چھ جلدوں میں بہترین اردو شرح ہے۔

⓮ ... میر سید شریف علی بن محمد جرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حاشیہ ہے جو علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح سے تو بہت مختصر لیکن مفید ہے۔

⓯ ... "هداية الرواة الى تخريج المصابيح و المشكوٰة" للحافظ ابن حجر رحمه الله تعالى.

⓰ ... "نفحات التنقيح في شرح مشكوٰة المصابيح" حضرت مولانا حکیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کے درسی افادات کا مجموعہ ہے جو تین جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ مفید اور قابل مطالعہ ہے۔

فلاں ورق پر ہے۔

امرِ سابع حکمِ شرعی: ..... اس علم کی دو نوعیں ہیں: ایک پڑھنے پڑھانے کے اعتبار سے، دوسری اس کی احادیث پر عمل کرنے کے اعتبار سے۔ پڑھنے پڑھانے کی حیثیت سے تو اس کا حکم یہ ہے کہ بصورتِ تفرد واجب ہے اور بصورت تعدد واجب علی الکفایہ یعنی اگر کتب احادیث میں صرف "مشکوٰۃ شریف" پائی جائے تو اس کا پڑھنا واجب العین ہے اور اگر بہت سی کتب احادیث موجود ہوں تو اس کا پڑھنا واجب علی الکفایہ ہے، کیونکہ مقصود دین حاصل کرنا ہے۔

اور دوسرے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ اس کی احادیث پر عمل کرنا واجب ہے بشرطیکہ کوئی معارض موجود نہ ہو، مثلاً کوئی آیت کریمہ معارض ہو یا اور کوئی حدیث، پھر جب تعارض ہوگا تو ہم غور کریں گے۔ یہ سات امور پورے ہوئے جن کا نام تھا "مقدمۃ الکتاب۔"

منسوباتِ مشکوٰۃ

صاحب مشکوٰۃ نے کتاب المصابیح کی احادیث کو عموماً تیرہ ائمہ حدیث کی طرف منسوب کیا ہے جن کے نام یہ ہیں:

امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، امام شافعی، امام ترمذی، امام احمد ابن حنبل، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام دارمی، امام دارقطنی، امام بیہقی، امام رزین رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کا مختصر تذکرہ کر دیا جائے۔

تذکرۂ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کنیت ابو عبداللہ ہے اور نام و نسب یہ ہے: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بُردِزبَہ، بردزبہ دہقان بخارا کی زبان میں کاشتکار یا کارندہ کو کہتے ہیں۔ بخاری کو: ولاء کی طرف منسوب کرکے جعفی کہتے ہیں، چونکہ اس زمانہ کا دستور تھا کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا تھا اس کو اسی کے قبیلہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ بخاری کے جد ثانی مغیرہ حاکم بخارا یمان (بخاری) جعفی کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے اس لئے بخاری کو جعفی بھی کہنے لگے۔

امام بخاری ١٣ شوال ١٩٤ھ کو جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ پیدا ہوئے۔ آپ کمزور جسم کے تھے۔ نہ دراز قامت نہ کوتاہ قد، بلکہ درمیانہ قد رکھتے تھے۔

بخاری بچپن میں ہی نابینا ہوگئے تھے، اس وجہ سے ان کی والدہ کو اس کا سخت قلق رہتا تھا اور وہ نہایت گریہ وزاری سے خدائے پاک کی جناب میں ان کی بصارت کے لئے دعا کیا کرتی تھیں۔ ایک شب کو ان کی والدہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تیری گریہ وزاری اور دعا کے سبب تیرے فرزند کو بصارت عنایت فرمائی، جب وہ صبح اٹھیں تو اپنے لخت جگر کی آنکھوں کو روشن پایا۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو احادیث یاد کرنے کا بچپن ہی سے شوق تھا، چنانچہ

---

[1] امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھئے "تاریخ الخطیب" ٢/٤ ص ٣٦۔ "انساب السمعانی" ١٠٠/٢، "وفیات الاعیان" ١٨٨/٤۔ "سیر اعلام النبلاء" ٣٩١/١٢۔ "تذکرۃ الحفاظ" ٥٥٥/٢، "تہذیب الکمال" ٤٣٠/٢٤، "طبقات السبکی" ٢١٢/٢۔ "الکاشف" ٣ الترجمۃ ٤٧٨٦، "التقریب" ١٤٤/٢۔ "ثقات ابن حبان" ١١٣/٩۔

دس سال کی عمر میں یہ حالت تھی کہ کتب میں جس جگہ حدیث کا نام سنتے فوراً اس کو یاد کر لیتے۔ کتب سے فراغت پائی اور یہ معلوم ہوا کہ بخارا میں علامہ داخلی رحمہ اللہ تعالیٰ علمائے حدیث میں سے ہیں تو ان کی خدمت میں آمد و رفت شروع کی۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ علامہ داخلی اپنے نسخہ سے لوگوں کو احادیث سنا رہے تھے اثناء درس میں ان کی زبان سے نکلا "سُفْیَانُ عَنْ أَبِي الزُّبَیْرِ عَنْ إِبْرَاهِیْمَ" امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فوراً بول پڑے کہ حضرت! ابوالزبیر کا لقاء (ملاقات) ابراہیم سے ثابت نہیں، بلکہ یہ زبیر بن عدی ہیں، مگر علامہ داخلی نے ان کی بات کو تسلیم نہ کیا تو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا اس کو اصل نسخہ میں دیکھنا چاہیے، چنانچہ علامہ داخلی اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور اصل نسخہ پر نظر ڈالی، باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اس لڑکے کو بلاؤ! جب امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ حاضر ہوئے تو علامہ داخلی نے فرمایا کہ میں نے اس وقت جو پڑھا تھا بیشک وہ غلط تھا، اب آپ بتائیں کہ صحیح کس طرح ہے اس پر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرض کیا "سُفْیَانُ عَنِ الزُّبَیْرِ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ إِبْرَاهِیْمَ" ہے۔ علامہ داخلی حیران ہو گئے اور کہا واقعی ایسا ہی ہے، پھر قلم لے کر قرأت کے نسخہ کی تصحیح کی۔

یہ واقعہ ان کی عمر کے گیارہویں سال کا ہے۔ جب امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سولہ سال کے ہوئے تو آپ نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کی تمام کتابیں یاد کر لیں اور وکیع رحمہ اللہ تعالیٰ کے نسخے بھی ازبر کر لیے، پھر اپنی والدہ اور بھائی احمد کے ہمراہ حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ حج سے فراغت پائی تو ان کی والدہ اور بھائی وطن واپس چلے آئے اور وہ خود یہاں حجاز میں طلب حدیث کیلئے رک گئے۔ اٹھارہ سال کے ہوئے تو سلسلۂ تصنیف شروع کیا اور فضائل صحابہ و تابعین اور ان کے اقوال کا ذخیرہ فراہم کرنے لگے، یہاں تک کہ اس کو ایک مجموعہ کی شکل دے کر اور مرتب کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر "کتاب

التاریخ" کا مسودہ شروع کر دیا۔ آپ راتوں کو چاندنی روشنی میں لکھا کرتے تھے۔

حاشد ابن اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ (جو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ کے محدث ہیں) کہتے ہیں کہ:

"امام بخاری طلب حدیث کے لئے میرے ہمراہ شیوخ وقت کی خدمت میں آمد ورفت رکھتے تھے، لیکن ان کے پاس قلم ودوات یعنی لکھنے کا سامان کچھ نہ ہوتا تھا اور نہ وہاں کچھ لکھتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ جب تم حدیث کو نہیں لکھتے تو تمہارے آنے جانے سے کیا فائدہ؟ اس طرح سننا تو ہوا کی طرح ہے، ایک کان سے گھس کر دوسرے کان سے نکل جاتی ہے۔ سولہ دن کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کہا کہ تم لوگوں نے مجھ کو تنگ کر دیا! تو اب میری یاد کا اپنے نوشتوں سے مقابلہ کرو۔ اس مدت میں ہم نے پندرہ ہزار حدیثیں لکھی تھیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ازبر صحت کے ساتھ سب کو اس طرح سنایا کہ میں خود اپنی لکھی ہوئی کو ان سے صحیح کرتا تھا۔ اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں عبث اور بے فائدہ سرگردانی کرتا ہوں؟ حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں اسی روز سمجھ گیا تھا کہ یہ ہونہار ہیں اور آگے چل کر کوئی ان سے مقابلہ نہ کر سکے گا۔"

"جامع صحیح بخاری" کی تصنیف کا سبب یہ ہوا کہ وہ ایک دن اسحٰق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں حاضر تھے، اسحٰق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے احباب نے کہا کہ کیا اچھا ہو اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی توفیق دے کہ سنن میں کوئی ایسا مختصر تیار کرے جس میں صرف صحیح حدیثیں ہوں جو صحت میں اعلیٰ مرتبہ رکھتی ہوں تاکہ عمل کرنے والے بلا خوف وتردد مجتہدین کی طرف مراجعت کے بغیر اس پر عمل پیرا ہوں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے دل میں یہ بات جاگزیں ہوگئی اور اسی وقت سے اس جامع کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ چھ لاکھ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے

جو ان کے پاس موجود تھا انتخاب شروع کیا، جو ان میں صحیح ترین تھیں ان پر اکتفاء کیا اور بعض وہ احادیث جو اسی درجہ پر صحیح تھیں ان کو طوالت کے خوف یا کسی دوسرے سبب چھوڑ بھی دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جب کسی حدیث کے لکھنے کا ارادہ کرتے تھے تو اول غسل کر کے دو رکعت نفل ادا فرماتے اور اس کو لکھتے۔ چنانچہ سولہ سال کے عرصہ میں اس انتخاب سے فراغت پائی۔ جب اس کا قصد کیا کہ ان حدیثوں کی ان کے مضمون کے مطابق ترتیب دی جائے (اس کو اصطلاحِ محدثین میں ترجمۃ الباب کہتے ہیں) تو مدینہ منورہ میں قبرِ مبارک اور منبرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی مقام میں اس اہم کام کو انجام دیا، ہر ترجمہ پر دو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔

الغرض امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی حسنِ نیت کا نتیجہ تھا کہ "جامع صحیح" اس قدر مقبول ہوئی کہ ان کی زندگی ہی میں اس کو نوے ہزار (۹۰۰۰۰) آدمیوں نے آپ سے بلا واسطہ سنا، جن میں سب سے آخری فربری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں اور آجکل ان کی روایت ہی علوِ اسناد کی وجہ سے شائع و مشہور ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی نادر باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ:

> "مجھ کو امید ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے کسی شخص کی غیبت کا سوال نہ کیا جائے گا، کیونکہ میں نے بفضل اللہ کسی کی غیبت نہیں کی۔"

سبحان اللہ! کس قدر تعفف اور تورع تھا۔

طریقۂ صالحین کے مطابق بخاری پر بھی کئی طرح کی آزمائشیں آئیں ان میں سے ایک یہ کہ خالد بن احمد ذہلی امیر بخارا نے ان کو اس امر کی تکلیف دینی چاہی کہ ان کے مکان پر آ کر اس کے بیٹوں کو "جامع" و "تاریخ" اور دوسری کتابوں کا درس دیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا یہ حدیث کا علم ہے میں اس کو ذلیل

کرنا نہیں چاہتا، اگر تم کو غرض ہے تو اپنے بیٹوں کو میری مجلس میں بھیج دیا کرو تاکہ دوسرے طلبہ کی طرح وہ بھی علم حاصل کریں، امیر نے کہا اگر ایسا ہے تو جس وقت میرے بیٹے آپ کے پاس آئیں آپ دوسرے طلبہ کو اپنی خدمت میں نہ آنے دیں، میرے دربان اور چوکیدار دروازہ پر تعینات رہیں گے، میری نخوت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ جس مجلس میں میرے بیٹے موجود ہوں وہاں جولاہے اور دھنے بھی ان کے ہمنشین ہوں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ:

"یہ علم پیغمبر کی میراث ہے اس میں ساری امت شریک ہے، کسی کی کوئی خصوصیت نہیں۔"

اس گفت وشنید سے امیر مذکور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے رنجیدہ ہوگیا۔ طرفین میں کدورت بڑھتی رہی۔ نوبت بایں جا رسید کہ امیر مذکور نے ابی الورقاء اور اس وقت کے دوسرے علماء ظاہری کو اپنے ساتھ ملا لیا اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک پر طعن کرنے لگے اور ان کے اجتہاد میں غلطیاں نکال کر ایک محضر تیار کرایا اور اس حیلہ وبہانہ سے بخارا سے ان کو نکال دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ وہاں سے روانہ ہوئے تو انہوں نے جناب الٰہی میں دعا کی کہ اے اللہ! ان لوگوں کو اس بلا میں مبتلا کر جس میں وہ مجھ کو کرنا چاہتے ہیں۔

ابھی ایک مہینہ بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ خالد بن احمد معزول ہوا۔ خلیفہ وقت کا حکم پہنچا کہ اس کو گدھے پر سوار کرکے شہر میں گھمائیں۔ انجام کار اس کو کامل تباہی کا سامنا ہوا جیسا کہ کتب تاریخ میں لکھا ہوا ہے اور مشہور ہے۔ حریث بن ابی الورقاء کو بھی بے حد رسوائی اور فضیحت کا منہ دیکھنا پڑا، ان کا وقار خاک میں مل گیا، نیز اس وقت ان علماء کو بھی جو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے درپے تذلیل اور (خالد بن احمد ذہلی کے) مشورہ میں شریک تھے پوری پوری آفت پہنچی۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس بے کسی کی حالت میں پہلے نیشاپور گئے، جب وہاں کے امیر سے بھی نہ بنی تو وہاں سے مراجعت کر کے خرتنگ تشریف لے آئے۔ (یہ ایک گاؤں کا نام ہے جو سمرقند سے تین فرسخ [نو میل] کے فاصلہ پر واقع ہے) ۲۵۶ھ میں شب جمعہ کو لیلۃ الفطر میں عشاء کی نماز کے وقت اسی جگہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ہوا۔ عید کے دن نماز ظہر کے بعد دفن کر دیئے گئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عمر ۶۲ سال تھی۔[1]

عبدالواحد طوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو اس زمانہ کے علماء و اکابر اولیاء میں سے تھے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے اصحاب کے سربراہ منتظر کھڑے ہیں انہوں نے سلام کر کے عرض کیا یا رسول اللہ! کس کا انتظار ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محمد بن اسمٰعیل بخاری کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس خواب کے چند روز بعد ہی میں نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کی خبر سنی، جب میں نے لوگوں سے وقت وفات کی تحقیق کی تو وہی ساعت معلوم ہوئی جس میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں منتظر دیکھا تھا۔

وقت شدت، خوف دشمن، سخت مرض، قحط سالی اور دیگر بلاؤں میں "بخاری" کا پڑھنا تریاق کا کام دیتا ہے، چنانچہ اکثر اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔

---
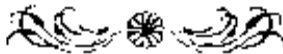
[1] کسی نے مختصر طور پر ولادت، وفات اور عمر کا یوں ذکر کیا ہے

كَانَ الْبُخَارِيُّ حَافِظًا وَ مُحَدِّثًا   جَمَعَ الصَّحِيْحَ مُكَمَّلَ التَّحْرِيْرِ
مِيْلَادُهُ صِدْقٌ وَ مُدَّةُ عُمْرِهِ   فِيْهَا حَمِيْدٌ وَ انْقَضٰى فِيْ نُوْرٍ

تذکرہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

امام مسلم ابن الحجاج القشیری نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کنیت ابو الحسین اور لقب عساکر الدین ہے۔ ان کے دادا کا نام مسلم بن ورد بن کرشاد ہے۔ بنی قشیر عرب کے مشہور قبیلہ کی طرف منسوب تھے۔ نیشاپور خراسان کا ایک بہت خوبصورت اور بڑا شہر ہے اس لحاظ سے نیشاپوری بھی کہے جاتے تھے۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ علم حدیث کے اکابرین میں شمار کئے جاتے تھے۔ ابو زرعہ رازی اور ابو حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کی امامت حدیث کی گواہی دی ہے اور ان کو محدثین کا پیشوا تسلیم کیا ہے۔ ابو حاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ اور اس زمانہ کے دوسرے بزرگوں مثلاً امام ترمذی اور ابوبکر بن خزیمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان سے روایت کی ہے۔

امام مسلم کی بہت سی تالیفات ہیں، جن میں تحقیق و امعان کامل طور سے کیا گیا ہے اور "صحیح مسلم" میں تو خصوصیت کے ساتھ علم حدیث کے عجائبات بیان کئے گئے ہیں، اور ان میں بھی اخص خصوص، سانید اور متون کا حسن سیاق ہے اور روایت میں تو آپ کا ورع تام اور احتیاط اس قدر ہے جس میں کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اختصار کے ساتھ اسانید کی تخلیص اور ضبط انتشار میں یہ کتاب بے نظیر واقع ہوئی ہے۔ اسی طرح حافظ ابو علی نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی اس صحیح کو تمام تصانیف علم حدیث پر ترجیح دیا کرتے تھے:

---

[1] امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھئے "سیر اعلام النبلاء" ۱۲/۵۵۷، "انساب السمعانی" ۱۲/۱۰۵، "تذکرۃ الحفاظ" ۲/۵۸۸، "التقریب" ۲/۲۱۰، "تاریخ الخطیب" ۱۳/۱۰۰، "تہذیب الکمال" ۲۷/۴۹۹، "الکامل فی التاریخ" ۷/۴۸۰، ۸/۶۱۴

"مَاتَحْتَ أَدِيْمِ السَّمَآءِ أَصَحُّ مِنْ كِتَابِ مُسْلِمٍ" (فی علم الحدیث)

یعنی علم حدیث میں روئے زمین پر "مسلم" سے بڑھ کر صحیح ترین اور کوئی کتاب نہیں ہے۔ اہل مغرب کی ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے۔ اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرط لگائی ہے کہ وہ اپنی صحیح میں صرف وہ حدیث بیان کریں گے جس کو کم از کم دو تابعین نے دو صحابہ سے روایت کیا ہو اور یہی شرط تمام طبقات تابعین میں محفوظ رکھی ہے یہاں تک کہ سلسلۂ اسناد ان (امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ) تک ختم ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ راویوں کے اوصاف میں بھی صرف عدالت ہی پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ شرائط شہادت کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر پابندی نہیں ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہایت تورع اور احتیاط کے ساتھ اپنی سنی ہوئی تین لاکھ حدیثوں میں سے اس صحیح کا انتخاب کیا ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے عجائبات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے عمر بھر میں کسی کی غیبت نہیں کی، نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کو گالی دی۔

صحیح وسقیم حدیثوں کی پہچان میں اپنے تمام اہل عصر میں ممتاز تھے بلکہ بعض امور میں ان کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ پر بھی ترجیح وفضیلت حاصل ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی اکثر روایات اہل شام سے بطریق مناولہ (یعنی ان کی کتابوں سے لی گئیں ہیں خود ان کے مؤلفین سے نہیں سنی گئیں) اس لئے ان کے راویوں میں کبھی کبھی امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے غلطی واقع ہو جاتی ہے۔ ایک ہی راوی کہیں اپنی کنیت اور کہیں اپنے نام سے مذکور ہوتا ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس کو دو سمجھ لیتے ہیں۔ یہ مغالطہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کو پیش

نہیں آتا۔

نیز حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے تصرفات مثلاً تقدیم وتاخیر، حذف واختصار کی وجہ سے بعض مرتبہ تعقید پیدا ہوجاتی ہے، ہرچند کہ خود بخاری ہی کے دوسرے طرق دیکھ کر وہ صاف بھی ہوجاتی ہے لیکن امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ ہی اختیار نہیں کیا بلکہ متونِ حدیث کو موتیوں کی لڑی کے مانند اس طرح مرتب کیا ہے کہ تعقید کے بجائے اس کے معانی اور چھلکتے چلے جاتے ہیں۔

"صحیح مسلم" کی طرح امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کی دوسری مفید تالیفات بھی ہیں مثلاً: "کِتَابُ الْمُسْنَدِ الْکَبِیْرِ عَلَی الرِّجَالِ" "کِتَابُ الْأَسْمَآءِ وَالْکُنٰی" "کِتَابُ الْعِلَلِ" "کِتَابُ الْوُحْدَانِ" "کِتَابُ حَدِیْثِ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ" "کِتَابُ مَشَایِخِ مَالِکٍ" "کِتَابُ ذِکْرِ أَوْهَامِ الْمُحَدِّثِیْنَ" "کِتَابُ التَّابِعِیْنَ"

ابوحاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو اکابر محدثین میں سے ہیں امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور ان کا حال دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت کو میرے لئے مباح کردیا ہے جہاں چاہتا ہوں رہتا ہوں۔

ابوعلی زاغونی کو ان کی وفات کے بعد کسی شخص نے خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ کس عمل سے تمہاری نجات ہوئی؟ تو انہوں نے "صحیح مسلم" کے چند اجزاء کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ان اجزاء کی بدولت۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور بعض نے کہا ۲۰۴ھ میں اور بعض ۲۰۶ھ بیان کرتے ہیں۔ ابن الاثیر نے "جامع الاصول" کے مقدمہ میں اسی کو اختیار کیا ہے، واللہ اعلم۔ ان کی وفات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کا انتقال یکشنبہ کی شام کو ہوا اور ۲۵ رجب ۲۶۱ھ میں دوشنبہ کے روز دفن کئے گئے۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کا سبب بھی عجیب وغریب ہے۔ کہتے ہیں کہ

ایک روز مجلسِ مذاکرۂ حدیث میں آپ سے کوئی حدیث پوچھی گئی آپ اس وقت اس کو نہ پہچان سکے، اپنے مکان پر تشریف لائے اور اپنی کتابوں میں اس کو تلاش کرنے لگے، کھجوروں کا ایک ٹوکرا ان کے قریب رکھا تھا آپ اسی حالت میں ایک ایک کھجور اس میں سے کھاتے رہے، امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث کی فکر وجستجو میں کچھ ایسے مستغرق رہے کہ حدیث کے ملنے تک تمام کھجوروں کو تناول فرماگئے اور کچھ خبر نہ ہوئی، بس یہی زیادہ کھجور کھالینا ان کی موت کا سبب بنا۔ حافظ عبد الرحمن بن علی الربیع یمنی شافعی کہتے ہیں۔

تَنَازَعَ قَوْمٌ فِي الْبُخَارِيِّ وَمُسْلِمٍ ... لَدَيَّ وَقَالُوا أَيَّ ذَيْنِ تُقَدِّمُ

فَقُلْتُ لَقَدْ فَاقَ الْبُخَارِيُّ صِحَّةً ... كَمَا فَاقَ فِي حُسْنِ الصِّنَاعَةِ مُسْلِمُ

تَرجَمَہ: "میرے سامنے امام بخاری و امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں لوگوں نے تنازع کیا اور کہا کہ ان دونوں میں سے (مرتبہ) میں کون مقدم ہے، میں نے کہا امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ صحت کے اعتبار سے فوقیت رکھتے ہیں، جیسے امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ حسنِ ترتیب میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔"[1]

---

[1] "فتح الملہم" ۱/۲۷۶، "بستان المحدثین" اردو، ص ۷۸۔
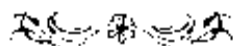
تذکرہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ[۱]

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مختصر نسب یہ ہے: ابو عبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن حارث بن غیمان بن خثیل الاصبحی المدنی۔ اصبح یمن کے قحطان کی ایک شاخ ہے جو یمن کا باعزت قبیلہ سمجھا جاتا ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ حارث قبیلہ اصبح سے تعلق رکھتے ہیں اسی لئے ان کا لقب "ذو اصبح" ہے۔ آپ کے آباء و اجداد میں سب سے پہلے اسلام لانے والے آپ کے پردادا ابو عامر ہیں۔

ان کے صحابی ہونے میں علمائے اسماء الرجال کا اختلاف ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "تجرید الصحابہ" میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کسی کو میں نے ان کا شمار صحابہ میں کرتے ہوئے نہیں پایا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "الإصابہ" میں ان کو قسم ثالث میں بیان کیا ہے اور وہاں صرف ذہبی کا قول ذکر کیا۔ اصابہ میں قسم ثالث ان صحابہ کے تذکرہ میں ہے جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں کو پایا اور کسی بھی روایت میں یہ نہیں آیا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور

---

[۱] امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمے کے لئے دیکھئے "تہذیب الکمال" ۲۷/۹۱، "طبقات ابن سعد" [illegible]، "حلیۃ الاولیاء" [illegible]، "الانساب للسمعانی" [illegible]، "الکامل فی التاریخ" [illegible]، "الفہرست لابن ندیم" [illegible]، "تہذیب الاسماء للنووی" [illegible]، "سیر اعلام النبلاء" [illegible]، "تذکرۃ الحفاظ" [illegible]، "خلاصۃ الخزرجی" [illegible]، "الترجمۃ" [illegible]، "صفۃ الصفوۃ" [illegible]، "الکاشف" [illegible]، "الترجمۃ" [illegible]، "البدایۃ والنہایۃ" [illegible]، "التقریب" [illegible]

قاضی ابوبکر بن العلی القشیری سے نقل کیا ہے کہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں اور غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہے ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "تنویر الحوالک" میں اسی کو اختیار کیا ہے اور آپ کے دادا مالک بن عامر کے تابعی ہونے میں کوئی کلام نہیں، بلکہ کبار تابعین میں سے ہیں اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن چار اشخاص نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل دیا اور رات کو لے جا کر قبر میں دفن کیا ان میں سے ایک ہیں۔[1]

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سن ۹۳ھ میں پیدا ہوئے، چنانچہ یحییٰ بن بکیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں یہی بیان کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ شکم مادر میں معمول سے زیادہ رہے۔ اس مدت کو بعض نے دو سال بیان کیا ہے اور بعض نے تین سال کہا ہے۔ آپ کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ دراز قد، موٹا بدن، سفید رنگ، مائل بہ زردی، کشادہ چشم خوبصورت ناک بلند رکھتے تھے۔ ان کی پیشانی میں سر کے بال کم تھے، ایسے شخص کو عربی میں اصلع کہتے ہیں۔ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اصلع تھے۔ داڑھی گنجان اور اس قدر لمبی تھی کہ سینہ تک پہنچی تھی اور مونچھوں کے ان بالوں کو جو لبوں کے کنارہ پر ہوتے تھے کتروا تے تھے اور منڈوانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ "مونچھ کا منڈوانا مثلہ میں داخل ہے" اور مونچھ بھی آپ کی وافر تھی اور اس میں جناب امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کرتے تھے، چنانچہ منقول ہے کہ:

"اِنَّهٗ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَفْتِلُ سُبَالَتَهٗ اِذَا اَهَمَّهٗ اَمْرٌ"

---

[1] مقدمة اوجز، الباب الثاني، الفصل الاول

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کوئی عظیم امر پیش آتا تو اپنی مونچھ کو پیچ دیا کرتے تھے[1]

واقدی نے بیان کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ۹۰ سال کی عمر ہوئی ہے، لیکن آپ نے داڑھی کا کبھی خضاب نہیں کیا اور نہ حمام میں تشریف لے گئے۔ (قدیم زمانہ میں مستقل عمارت ہوتی تھی جہاں گرم پانی سے غسل کا نظم ہوتا تھا اور خدام بدن کی مالش وغیرہ کے لئے مقرر ہوتے تھے)

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ خوش پوشاک تھے، عدن کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ (عدن یمن کا ایک شہر ہے اور وہاں کے کپڑے نفیس اور بیش قیمت ہوتے تھے) علاوہ ازیں خراسان اور مصر کے اعلیٰ قسم کے کپڑے بھی پہنتے تھے۔ آپ کا لباس اکثر سفید ہوتا تھا اور اکثر عطر لگایا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ:

> "جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ثروت یعنی مال و دولت عطا کی ہو اور اس کا اثر اس پر ظاہر نہ ہو تو میں ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا ہوں، کیونکہ اس نے حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو چھپا کر کفرانِ نعمت کیا ہے۔"

اشہب رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں کہتے ہیں کہ جس وقت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ عمامہ باندھتے تھے تو اس کا ایک پلہ تھوڑی کے نیچے کر کے سر پر باندھتے تھے اور اس کی ایک جانب کو (جس کو اس ملک کے رواج کے مطابق شملہ اور اہل عرب عذبہ کہتے ہیں) دونوں شانوں کے درمیان ڈالتے تھے۔

عذر اور بیماری کے سوا سرمہ لگانے کو مکروہ خیال فرماتے تھے۔ آپ جب کبھی کسی ضرورت سے سرمہ لگاتے تھے تو باہر تشریف نہ لاتے تھے بلکہ گھر ہی میں بیٹھے رہتے تھے۔

---

[1] "بستان المحدثین" اردو ص ۱۳۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی انگشتری چاندی کی تھی، اس میں سیاہ رنگ کا نگینہ جڑا ہوا تھا اور ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ اس پر کندہ تھا۔ مطرف رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں میں سے ہیں انگشتری پر اس آیت کو کندہ کرانے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا: میں نے سنا ہے کہ حق تعالیٰ کلام مجید میں مؤمنین کے حق میں فرماتے ہیں ﴿قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ پس اس وجہ سے میرا دل یہ چاہتا ہے کہ آیت کا مضمون میرا نصب العین رہے اور ہر وقت میرے پیشِ نظر رہ کر میرے دل پر یہ نقش ہو جائے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکان کے دروازے پر یہ کلمہ لکھا ہوا تھا "مَاشَآءَ اللّٰهُ" اس کا سبب بھی کسی سائل نے دریافت کیا تو فرمایا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَاشَآءَ اللّٰهُ﴾ اور میری جنت میرا مکان ہے پس یہ چاہتا ہوں کہ جب گھر میں آؤں تو یہ کلمہ مجھ کو یاد آ کر میری زبان پر جاری ہو جائے۔

مدینہ منورہ میں جس مکان میں رہتے تھے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان تھا، جو جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ مسجد نبوی میں آپ کی نشست اس جگہ تھی جہاں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھتے تھے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: میں نے تمام عمر کسی بیوقوف یا کوتاہ عقل والے کے ساتھ ہم نشینی نہیں کی۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ یہ ایک ایسی بڑی بات ہے جو سوائے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے کسی کو میسر نہیں ہوئی، علماء کے زمرہ میں اس سے بہتر اور کوئی فضیلت نہیں ہوتی، اس لئے کہ بیوقوفوں کی صحبت نورِ علم کو تاریک کر دیتی ہے اور تحقیق کی بلند چوٹی سے گرا کر تقلید کی پستی میں ڈال دیتی ہے، جس کی وجہ سے علم کی نفاست میں ایک گونہ خرابی اور نقصان آ جاتا ہے۔

چونکہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کھانا پینا خلوت میں رکھتے تھے اس وجہ سے کسی نے آپ کو کھاتے پیتے نہیں دیکھا۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ باوجود وقار اور خود داری کے اپنے اہل وعیال اور نوکر چاکر کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور ہر معاملہ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی فرماتے تھے۔

علم طلب کرنے کی غرض اور خواہش بہت تھی۔ زمانۂ طالب علمی میں آپ کے پاس ظاہری سرمایہ کچھ زیادہ نہیں تھا، مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیوں کو فروخت کر کے کتب وغیرہ کے صرف میں خرچ فرمایا کرتے تھے، اس کے بعد دولت کا دروازہ ان پر کھل گیا اور کثرت سے بڑی بڑی فتوحات شروع ہو گئیں۔

آپ کا حافظہ بہت اعلیٰ درجہ کا تھا، یہ فرمایا کرتے تھے جس چیز کو میں نے محفوظ کر لیا اس کو پھر کبھی نہیں بھولا۔ سترہ سال کی عمر میں آپ نے مجلس افادہ وتعلیم کی ابتدا فرمائی تھی۔

لوگ یہ نقل کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں ایک نیک عورت کی وفات ہوئی، جب غسل دینے والی عورت نے اس کو غسل دیا تو اس نیک بخت مردہ عورت کی شرمگاہ پر ہاتھ رکھ کر یہ کہا کہ یہ فرج کتنی زنا کار تھی، فوراً اس کا ہاتھ فرج پر ایسا چپک گیا کہ اس کے جدا کرنے کی سب نے کوشش وتدبیر کی، مگر فرج سے اس کا ہاتھ جدا نہ ہوا، انجام کار اس مشکل کو علماء اور فقہاء میں پیش کر کے اس کا علاج اور تدبیر دریافت کی، سب کے سب اس سے عاجز ہوئے، لیکن امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس راز کی حقیقت کو اپنے ذہن رسا اور کامل فہم سے دریافت کر کے یہ فرمایا کہ اس غسل دینے والی کو حد قذف (یعنی وہ سزا جو شریعت نے زنا کی تہمت لگانے والے کے لئے مقرر کی ہے) لگائی جائے۔ آپ کے اس ارشاد کے مطابق جب اس کے اسی (۸۰) درّے لگائے تو ہاتھ فرج سے فوراً جدا ہو گیا۔ سب کے دلوں میں امام

صاحب کی ریاست وامامت اسی دن سے راسخ طور سے جاگزیں ہوگئی۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس ایسی ہیبت اور وقار کی ہوتی تھی کہ اس میں شور وشغب ہوتا تو در کنار کسی شخص کو بلند آواز سے گفتگو کرنے کی مجال اور طاقت نہ ہوتی تھی۔

استاذ سے سند حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں: اوّل یہ کہ استاذ پڑھے اور شاگرد سنتے رہیں، دوسرا یہ کہ شاگرد پڑھے، استاذ اس کو سنتے رہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہی دوسرا طریقہ مروج تھا اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ اہل عراق نے قرأت علی الشیخ کے طریق کو ترک کردیا تھا اور حدیث حاصل کرنے کے طریق کو پہلی صورت پر منحصر خیال کرتے تھے اور شیخ ہی سے سماع طلب کرتے تھے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور نیز دوسرے حجاز ومدینہ کے عالموں نے اس وہم کو دفع کرنے کی غرض سے اسی طریق کو اختیار فرمایا تھا، ورنہ قدیم محدثین کے یہاں بھی یہی طریق مروج تھا کہ شیخ اپنے شاگردوں کو خود پڑھ کر سنایا کرتے تھے، اس طریق کو محدثین کی اصطلاح میں "قِرَاءَةُ الشَّيْخِ عَلَى التِّلْمِيْذِ" کہتے ہیں۔

یحییٰ بن بکیر رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام صاحب کے منجملہ شاگردوں کے ایک شاگرد ہیں اور اصحاب مؤطا میں سے ایک ہیں، چودہ دفعہ کتاب مؤطا کو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قرأت سے سنا ہے۔

ابن حبیب رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص احباب میں سے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت ادب فرماتے تھے اور کمال ادب کی وجہ سے اس قدر احتیاط تھی کہ بوقت افادۂ حدیث اس مجلس میں کبھی زانو کو بھی نہیں بدلتے تھے، بلکہ جس ہیئت اور حالت کے ساتھ اول بیٹھتے تھے آخر تک وہی ایک حالت رہتی تھی۔

تمام عمر مدینے کے حرم میں آپ نے قضائے حاجت نہیں کی بلکہ ہمیشہ حرم سے

باہر تشریف لے جاتے تھے، البتہ حالتِ مرض میں مجبوری کی وجہ سے معذور تھے۔

جب حدیث شریف سنانے کے لئے بیٹھتے تھے تو آپ کے لئے ایک چوکی بچھائی جاتی تھی اور آپ عمدہ کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر حجرہ سے باہر نہایت عجز و انکسار کے ساتھ آ کر اس پر بیٹھ کر حدیث سنتے تھے اور جب تک اس مجلس میں حدیث کا ذکر رہتا تھا مجمر یعنی انگیٹھی میں عود (لوبان) ڈالتے رہتے تھے۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں اور حدیث، فقہ، تفسیر اور قرأت کے بڑے امام ہیں اور علماء کے طبقہ میں ایسے مشہور ہیں کہ ان کی شہرت، تعریف و توصیف سے بالکل مستغنی کرتی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ روایت حدیث فرما رہے تھے، ایک بچھو نے نیش زنی کرنی شروع کی تو شاید دس مرتبہ آپ کو کاٹا، اس تکلیف کی وجہ سے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ کچھ متغیر ہو کر مائل بہ زردی ہو جاتا، مگر امام صاحب نے حدیث کو قطع نہیں فرمایا اور نہ کچھ لغزش آپ کے کلام میں ظاہر ہوئی۔

جب مجلس حدیث ختم ہوئی اور سب آدمی چلے گئے تو میں نے آپ سے عرض کیا کہ آج آپ کے چہرہ پر کچھ تغیر محسوس ہوتا تھا؟ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک تمہارا خیال صحیح ہے اور پھر تمام واقعہ ان سے بیان کر کے فرمایا:

"میرا اس قدر صبر کرنا اپنی طاقت کی بنا پر نہ تھا بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تعظیم کی وجہ سے تھا۔"

سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک روز امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں آئے تو مجلس کی عظمت و جلال اور اس کی شان و شوکت کے ساتھ انوار کی کثرت اور برکتوں کو دیکھ کر امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی مدح میں یہ قطعہ نظم فرمایا

يَأبَى الجَوابَ فَلا يُراجَعُ هَيْبَةً   وَالسَّائِلُونَ نَوَاكِسُ الأَذْقَانِ
أَدَبُ الوَقَارِ وَعِزُّ سُلْطَانِ التُّقَى   فَهُوَ المُطَاعُ وَلَيْسَ ذَا سُلْطَانِ

ترجمہ: "(اگر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ) جواب دینا چھوڑ دیں تو سب سائل اپنا سر نیچا کئے بیٹھے رہیں اور آپ کی ہیبت سے دوبارہ نہ پوچھ سکیں۔

وقار آپ کا ادب کرتا تھا اور آپ پرہیزگاری کی بادشاہت پر عزت کے ساتھ متمکن تھے (عجیب بات یہ تھی کہ) آپ کی اطاعت کی جاتی تھی حالانکہ آپ بادشاہ نہ تھے۔"

بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ جو ایک مشہور صوفی اور باخدا آدمی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی نعمتوں اور زینتوں میں سے کسی شخص کا "حدثنا مالک" کہنا بھی ایک بڑی نعمت ہے، یعنی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان و شوکت اس درجہ پہنچ گئی ہے کہ شاگرد اس کو دنیوی مفاخر سے شمار کرتے ہیں، حالانکہ وہ آخرت کا وسیلہ اور امور دین کا ذریعہ ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اکثر اس شعر کو پڑھا کرتے تھے ؎

وَخَيْرُ أُمُورِ الدِّينِ مَا كَانَ سُنَّةً   وَشَرُّ الأُمُورِ المُحْدَثَاتُ البَدَائِعُ

ترجمہ: "دین کا بہتر کام وہ ہے جو طریقہ رسول کے مطابق ہو اور بد ترین کام وہ ہے جو سنت کے خلاف نئی نئی بدعتیں اپنی طرف سے تراشی جاویں۔"

یہ شعر حکمت سے پر ہے، کیونکہ شاعر نے ایک حدیث نبوی کے مضمون کو نظم کیا ہے۔[1]

منجملہ اور کاموں کے ایک کلام امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ہدایت آمیز

---

[1] مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

ہے:

"لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ الرِّوَايَةِ إِنَّمَا هُوَ نُوْرٌ يَضَعُهُ اللّٰهُ فِي الْقَلْبِ"

یعنی کثرت سے روایت کرنے کا نام علم نہیں ہے وہ تو ایک نور ہے اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے اس کے قلب میں ڈال دیتا ہے۔ یہ قول ایک گہری تحقیق رکھتا ہے جس کو اہل بصیرت خوب جانتے ہیں۔

ایک روز آپ سے کسی نے یہ دریافت کیا کہ:

"مَا تَقُوْلُ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ"؟

تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"حَسَنٌ جَمِيْلٌ لٰكِنِ انْظُرْ مَا يَلْزَمُكَ مِنْ حِيْنَ تُصْبِحُ إِلٰى أَنْ تُمْسِيَ فَالْزِمْهُ"

طلب علم اچھی چیز ہے مگر انسان کو یہ خیال کرنا چاہئے کہ صبح سے شام تک جو امور اس پر واجب ہیں ان کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کرے۔ آپ کا یہ قول بھی گہری نظروں سے دیکھنے کے قابل ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ

"لَا يَنْبَغِيْ لِلْعَالِمِ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِالْعِلْمِ عِنْدَ مَنْ لَا يُطِيْقُهُ فَإِنَّهُ ذُلٌّ وَإِهَانَةٌ لِلْعِلْمِ"

یعنی عالم کو یہ لائق نہیں کہ وہ علمی مسائل کو ایسے شخص کے سامنے بیان کرے جو اس کا اہل نہیں ہے، کیونکہ اس میں علم کی اہانت اور ذلت ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ میں سوار ہو کر نہیں نکلتے تھے اور اس کا سبب یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ:

"أَنَا أَسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ أَنْ أَطَأَ تُرْبَةً فِيْهَا قَبْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَافِرِ دَابَّةٍ"

سواری کے سم سے اس سرزمین کے روندنے میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہو مجھ کو شرم آتی ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”موطا“ کو تالیف کرنا شروع فرمایا تو دوسرے لوگوں نے بھی اسی طرز پر لکھنا شروع کیا، اس پر بعض لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ اس قدر کیوں تکلیف گوارا فرماتے ہیں؟ دوسرے اشخاص بھی آپ کے شریک ہو کر اسی طرح کی ”موطا“ تصنیف کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو دکھاؤ!

چنانچہ آپ کے ارشاد کے موافق جب وہ تالیفات لائی گئیں تو آپ نے ان کو ملاحظہ فرما کر یہ فرمایا کہ: عنقریب یہ معلوم ہو جائے گا کہ صرف خدا کے لئے کون سا امر واقع ہوا ہے اور درحقیقت اب ان کی تصنیفات کا سوائے ”موطا ابن ابی ذئب“ کے نام و نشان بھی معلوم نہیں ہوتا، ہاں ”موطا امام مالک“ قیامت تک مخلوقات کی مخدوم اور علماء اسلام کا سرمایہ رہے گی۔

حافظ ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب ”حلیۃ الاولیاء“ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے سند کے ساتھ یہ نقل کیا ہے کہ سہل بن مزاحم رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے وقت کے عابدوں میں اور عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ جو مرو کے رہنے والے ہیں ان کے دوستوں میں سے تھے، یہ بیان کیا ہے کہ میں نے ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! اس وقت آپ کا خیر و برکت والا زمانہ تو گذر گیا ہے، اگر ہمارے دل میں دینی کاموں میں کوئی شک وشبہ واقع ہو تو کس شخص سے تحقیق کریں؟ ہم کو ان کا پتہ و نشان بتا دیجئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ تم کو جو مشکل پیش آئے اس کو مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کرو۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو جب حدیث کے کسی ٹکڑے میں شک پڑ جاتا تھا تو پوری کی پوری حدیث ترک کر دیتے تھے۔ وہب بن خالد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے درمیان حدیث نبویہ کے بارے میں قابل اطمینان شخص امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ دور دور کا سفر کریں گے لیکن عالم مدینہ سے بڑھ کر عالم انہیں کہیں میسر نہیں آئے گا۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس حدیث کا مصداق امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔

خلف بن عمر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ مدینہ کے قاری ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو ایک پرچہ دیا، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے پڑھا اور اپنی جانماز کے نیچے رکھ دیا، جب وہ کھڑے ہوئے تو میں بھی ان … اٹھ چلنے لگا فرمایا بیٹھ جاؤ اور وہ پرچہ مجھے دیا، کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں یہ خواب لکھا ہوا تھا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگ رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس منبر کے نیچے بہت بڑا خزانہ دفن کیا ہے اور مالک سے کہہ دیا ہے وہ تمہیں تقسیم کریں گے اس لئے مالک کے پاس جاؤ۔ لوگ یہ کہتے ہوئے واپس ہونے لگے کہ مالک تقسیم کریں گے یا نہیں!؟ کسی نے یہ جواب دیا جس بات کا امام مالک کو حکم دیا گیا ہے وہ ضرور اسے پورا کریں گے، اس خواب سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ پر گریہ طاری ہوگیا اور اتنا روئے کہ میں تو انہیں روتا ہی چھوڑ آیا۔

عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں کہ ہم امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص آیا اور بولا میں چھ ماہ کی مسافت سے ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے

آیا ہوں، فرمایا کہو کیا ہے؟ اس نے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے اچھی طرح معلوم نہیں، وہ حیران ہو کر بولا تو اپنے شہر والوں سے کیا کہوں؟ فرمایا کہہ دینا کہ مالک نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا ہے۔

آپ کی ہمشیرہ سے پوچھا گیا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ گھر میں کیا کرتے ہیں؟ فرمایا: تلاوت قرآن۔

محدثین کے نزدیک اصح الاسانید میں بحث ہے۔ مشہور یہ ہے کہ جس کے راوی مالک نافع سے اور نافع ابن عمر سے ہوں وہ اسناد سب سے صحیح ہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ جو آپ کے شیوخ میں شامل تھے وہ بھی آپ سے مستفید تھے۔ لیث، ابن مبارک، امام شافعی، اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے مشاہیر آپ کے زمرۂ تلامذہ میں شامل تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے اگر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ و حضرت سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا۔

ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ پانچ باتیں جس طرح امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں جمع ہوگئی ہیں میرے علم میں کسی اور شخص میں جمع نہیں ہوئیں۔

1. ..... لمبی و دراز عمر اور ایسی عالی سند۔
2. ..... ایسی عمدہ فہم اور اتنا وسیع علم۔
3. ..... آپ کے حجت اور صحیح الروایہ ہونے پر ائمہ کا اتفاق۔
4. ..... آپ کی عدالت، اتباعِ سنت اور دین داری پر محدثین کا اتفاق۔
5. ..... فقہ اور فتویٰ میں آپ کی مسلم مہارت۔

عتیق زبیری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے شروع میں اپنی ”موطا“ کو دس ہزار احادیث پر مشتمل فرمایا تھا، اس میں آہستہ آہستہ انتخاب فرماتے رہے آخر اس حد تک پہنچا اور جب تک امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ زندہ رہے

"موطأ" کو مسودہ کرتے رہے اس وجہ سے اس میں تنقیح بہت زیادہ ہوا ہے اور ہر نسخے کی ترتیب علیحدہ ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں نے اپنی اپنی استعداد کے لائق ترتیب دے کر رائج کیا ہے اور حدیثوں میں بھی فی الجملہ تھوڑا سا تفاوت ہے۔

ابو زرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو محدثین کے رئیس ہیں، یہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھا کر بیان کرے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو میری زوجہ پر طلاق جو کچھ "موطا" میں ہے وہ بلا شک و شبہ صحیح ہے تو وہ اپنی قسم میں حانث نہ ہوگا، یعنی اس کی عورت پر طلاق نہ پڑے گی اور اس قدر وثوق و اعتبار دوسری کتاب پر نہیں ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کے زمانہ میں تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے "موطا" کو سن کر نقل کیا ہے، چنانچہ اس کے نسخے بہت ہیں اور لوگوں کے ہر طبقہ فقہاء، محدثین، صوفیاء، امراء اور خلفاء نے تبرکاً اس عالی مقام امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی سند حاصل کی۔

آج کل ملک عرب میں ان کثیر نسخوں میں سے چند نسخے پائے جاتے ہیں۔ پہلا نسخہ جس کا سب سے زیادہ رواج اور جو سب سے زیادہ مشہور ہے اور فاکہۃ علماء کا مدار بھی یہی نسخہ ہے وہ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نسخہ ہے، چنانچہ جب کبھی مطلق یعنی بلا کسی قید کے "موطأ" کہا جاتا ہے تو فوراً اسی کی طرف ذہن جاتا ہے اور اسی پر منطبق و چسپاں ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ جعفر ابن سلیمان سے کسی نے شکایت کردی کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کی امارت کے مخالف ہیں اس نے آپ کو ستر کوڑے لگانے کا حکم دیا، اس کے بعد آپ کی عزت اور بڑھ گئی، گویا یہ کوڑے آپ کا زیور بن گئے۔ منصور جب مدینہ آیا تو اس نے انتقام لینے کا ارادہ کیا۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر

فرمایا میں تو اس کا ایک ایک کوڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی خاطر معاف کر چکا ہوں۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ سزا آپ کو اس جرم میں دی گئی تھی کہ آپ نے کوئی فتویٰ ان کی غرض کے موافق نہیں دیا تھا۔

ائمۂ اربعہ میں صرف آپ ایک ہیں جن کی تصنیف فنِ حدیث کے متعلق امت کے ہاتھ میں موجود ہے، بقیہ جو تصانیف دوسرے ائمہ کی طرف منسوب ہے وہ ان کے شاگردوں کی جمع کردہ ہیں، حتیٰ کہ "مسند احمد" بھی، گو اس کی تسوید خود امام موصوف نے کی ہے مگر اس کی موجودہ ترتیب خود امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے۔

قعنبی رحمہ اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہیں کہ میں مرض الوفات میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام کر کے بیٹھ گیا، دیکھا تو امام رو رہے تھے۔ میں نے سبب دریافت کیا؟ تو فرمایا کیسے نہ روؤں! مجھ سے زیادہ رونے کا اور کون مستحق ہوسکتا ہے۔ میری آرزو ہے کہ جو مسئلہ بھی میں نے اپنی رائے سے بتایا ہے ہر مسئلہ کے بدلہ میرے ایک کوڑا مارا جائے۔ کاش میں نے اپنی رائے سے ایک مسئلہ بھی نہ بتایا ہوتا۔ مجھے گنجائش تھی کہ اس کے جو جوابات مجھ سے پہلے دیئے جا چکے تھے ان ہی پر سکوت کر لیتا۔

ماہ ربیع الاول ۱۷۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور جس تمنا میں عمر گذری تھی آخر وہ آرزو پوری ہوئی، یعنی دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاکِ پاک نے ہمیشہ کے لئے آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ آپ سرزمینِ مدینہ ہی میں آسودۂ خواب ہیں۔

نسخِ مؤطا

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق "مؤطا" کے مشہور نسخے بیس ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ تیس ہیں۔ شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "بُسْتَانُ الْمُحَدِّثِیْنَ" میں لکھا ہے کہ آج کل عرب میں "مؤطا" کے سولہ نسخے

پائے جاتے ہیں اور ہر نسخہ ایک خاص راوی سے مروی ہے۔ ابوالقاسم بن محمد بن حسین شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے گیارہ "موطائیں" مروی ہیں اور سب کی سب قریب المعنیٰ ہیں، البتہ ان میں چار مروّج تھیں۔ پہلا نسخہ یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کا، دوسرا ابن بکیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا، تیسرا ابومصعب رحمہ اللہ تعالیٰ کا، اور چوتھا ابن وہب رحمہ اللہ تعالیٰ کا۔ پھر بعد میں ابو مصعب رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن وہب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نسخوں کا رواج کم ہوگیا، ان نسخوں میں احادیث کی کمی زیادتی ہے اور تقدیم و تاخیر بھی ہے۔ سب سے زیادہ احادیث نسخۂ ابومصعب میں ہیں۔ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس "موطا" میں دیگر "موطاؤں" سے سینکڑوں احادیث زائد ہیں۔[1]

تذکرۂ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ

ابومحمد یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر بن وسلاس بن شملل بن منقایا۔ ان کی نسبت مصمودی ہے اور صامودی بھی کہتے ہیں، یعنی نسبت ہوئے صاد جو مصمودہ بربر کا ایک قبیلہ ہے۔ ان کے اجداد میں سے منقایا پہلے شخص ہیں جو یزید بن عامر لیثی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور اسی وجہ سے ان کی نسبت ولاء اسلامی کے سبب لیثی ہے۔

منقایا کی اولاد میں پہلا شخص جس نے اندلس آکر سکونت اختیار کی تھی کثیر ہے۔ بعض کہتے ہیں یحییٰ بن وسلاس ہے، جو طارق کے لشکر میں آیا تھا اور وسلاس بھی یزید بن عامر کے ہاتھ پر ایمان لایا تھا۔

یہ بھی جاننا چاہیے کہ یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے "کتاب الاعتکاف" کے آخر کے چند ابواب کی سماعت نہیں فرمائی اور وہ ابواب یہ ہیں: بَابُ خُرُوْجِ الْمُعْتَكِفِ لِلْعِيْدِ، بَابُ قَضَاءِ الْاِعْتِكَافِ، بَابُ

[1] "بستان المحدثین" از ص ۶۱ تا ۲۲۔

النِّکَاحِ فِی الْاِعْتِکَافِ، چونکہ ان تینوں بابوں کی ساعت میں ان کو کچھ شبہ ہے، اس لئے ان کو زیاد بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں۔

یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے استفادہ کرنے سے قبل اپنے شہر قرطبہ میں زیاد بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوری "موطا" کی سند حاصل کی تھی، اس کے بعد ان کو طلب علم کا شوق دامنگیر ہوا، چنانچہ بیس برس کی عمر میں مشرق کی طرف سفر اختیار کیا اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے "موطا" کو سنا۔ ۱۷۹ھ میں جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کا سال ہے، ان کی ملاقات امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہوئی۔ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے وقت یہ وہاں موجود تھے۔ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی تجہیز وتکفین کی خدمت ان کو نصیب ہوئی۔ اندلس میں ہر شخص ان کو عزت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ کمال علمی کا مشار الیہ انہی کو خیال کیا جاتا تھا۔ استفتاء کا انحصار ان پر سمجھا جاتا تھا۔ ان سے پہلے اس دیار کے لوگ عیسیٰ بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ سے فتوی دریافت کرتے تھے، یہ بھی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے بڑے شاگردوں میں تھے۔ انہی دو شخصوں کے سبب امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب اندلس میں پھیل گیا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کو عیسیٰ بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ پر عقل ودانش میں برتری حاصل تھی، چنانچہ ابن لبابہ نے یہ شعر کہا ہے ؎

فَقِیْهُ الْاَنْدُلُسِ عِیْسَی بْنُ دِیْنَارٍ وَعَالِمُهَا ابْنُ حَبِیْبٍ وَعَاقِلُهَا یَحْیٰ

تَرْجَمَۃ: "یعنی اندلس کے فقیہ عیسیٰ بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ تھے، اور عالم ابن حبیب اور عاقل یحییٰ تھے۔"

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو عاقل کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا، چنانچہ منقول ہے کہ ایک دن یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوضات کا استفادہ فرما رہے تھے، ان کے علاوہ اور اشخاص بھی امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں فیض یاب ہو رہے تھے کہ دفعۃً ہاتھی

کے آنے کا شور وغل ہوا، چونکہ ملک عرب میں ہاتھی کو نہایت تعجب کے ساتھ دیکھا جاتا تھا اور اسی وجہ سے بعض عرب کے رہنے والے ہاتھی کے دیکھنے کو فخریہ بیان کرکے مبارک بادی کے خواستگار ہوتے ہیں، جیسا کہ ابو اسحٰق کے ان دو شعروں سے ظاہر ہوتا ہے ؎

یَاقَوْمِ اِنِّیْ رَاَیْتُ الْفِیْلَ بَعْدَکُمْ ۔۔۔ تَبَارَکَ اللّٰہُ فِیْ رُؤْیَۃِ الْفِیْلِ

رَاَیْتُہٗ وَلَہٗ شَیْءٌ یُحَرِّکُہٗ ۔۔۔ فَکِدْتُ اَصْنَعُ شَیْئًا فِی السَّرَاوِیْلِ

اسی واسطے حاضرین کی جماعت کے اکثر افراد امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحبت کو ترک کرکے ہاتھی کا تماشہ دیکھنے کو دوڑ پڑے، مگر یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ اسی ہیئت وحالت کے ساتھ بیٹھے ہوئے فیض حاصل کرنے میں مشغول رہے اور نہ کسی قسم کا اضطراب پیش آیا نہ کوئی حرکت بے ساختہ ان سے ظاہر ہوئی۔ امام رحمہ اللہ تعالیٰ اسی وقت سے عاقل کے خطاب سے ان کو مخاطب فرماتے تھے۔

ابن بشکوال نے بیان کیا ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ مستجاب الدعوات تھے اور وضع ولباس اور ہیئت کی ہر ایک نشست وبرخواست میں بھی حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا اتباع فرماتے تھے۔ جو کچھ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا تھا اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور ہرگز امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف کو پسند نہیں فرماتے تھے، حالانکہ اس وقت لوگوں میں ایک مذہب کی تقلید رائج نہیں ہوئی تھی نہ عوام میں نہ خواص میں۔

یحییٰ بن یحییٰ نے ہر مسئلہ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب واتباع کو اختیار کیا ہے، مگر چار مسئلوں میں لیث بن سعد مصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو اختیار فرمایا ہے:

اول یہ کہ صبح کی نماز اور نیز دیگر نمازوں میں قنوت پڑھنے کو جائز نہیں رکھتے تھے۔

دوسرے یہ کہ صرف ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کو روا نہیں رکھتے تھے۔

تیسرے یہ کہ: نزاع زوجین کی صورت میں حکم مقرر کرنے کو واجب نہیں سمجھتے تھے۔

چوتھے یہ کہ: کاشت کی زمین کا کرایہ اس کے محصول سے لینا جائز جانتے تھے۔

اس ملک کے لوگ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کمال عقیدت رکھنے کی وجہ سے اس قلیل مخالفت میں بھی ان کی گرفت کرتے تھے، اور ان مسائل میں ان کے پیرو نہ تھے۔

یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات ۱۰ رجب المرجب ۲۳۴ھ میں ہوئی۔ ان کی عمر بیاسی برس کی تھی۔ قرطبہ میں ان کی قبر ہے۔ خشک سالی میں ان کے طفیل سے لوگ بارش اور برکت طلب کرتے تھے۔[1]

زیاد بن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور نسب یہ ہے زیاد بن عبد الرحمٰن بن زیاد لخمی اور شبطون ان کا لقب ہے جس کے ساتھ وہ مشہور ہیں اور حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صحابی ہیں اور بدری لڑائی میں شریک ہوئے ہیں ان کی اولاد میں سے ہیں۔ زیاد بن عبدالرحمٰن پہلے شخص ہیں جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کو اندلس میں لائے اور استفادہ کی غرض سے دو مرتبہ سفر کر کے امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

زہد و تقویٰ میں اپنے زمانہ کے ممتاز اور مستثنیٰ لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جب امیر ہشام نے جو قرطبہ کا رئیس تھا زیاد بن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ کو قرطبہ کے عہدۂ قضا سے سرفراز کرنا چاہا اور اس عہدہ کے قبول کرنے پر انہیں مجبور کیا تو وہ تنگ ہو کر قرطبہ چھوڑ کر چلے گئے، اس وقت ہشام یہ کہتا تھا کہ کاش تمام لوگ اگر زیاد جیسے

---

[1] "بستان المحدثین" اردو، ص۹۱۔

ہوتے تو عالم کے دن میں دنیا کی رغبت نہ آتی۔ اس کے بعد ہشام نے ان کو امن دے کر یہ تسلی نامہ لکھا کہ میں پھر آپ کو اس امر کی تکلیف نہ دوں گا۔ زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ اس تسلی نامہ کو معلوم کرکے پھر اپنے مکان پر واپس آ گئے اور علم حدیث کے افادہ میں مشغول ہوئے۔

منقول ہے کہ اس ملک کے کسی بادشاہ نے زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ کو خط لکھا، جب زیاد نے اس کا جواب لکھ کر سربمہر کرکے روانہ کیا تو حاضرین خدمت نے عرض کیا کہ اس بادشاہ نے آپ کو کیا لکھا اور آپ نے اس کا کیا جواب دیا؟ فرمایا:

اس بادشاہ نے خط میں یہ سوال کیا تھا کہ قیامت کے دن میزان عدل کے دونوں پلے کس چیز کے ہوں گے چاندی کے یا سونے کے؟ میں نے جواب میں یہ حدیث لکھ دی:

"مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيْهِ"

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کا جو سال ہے وہی زیاد بن عبدالرحمٰن کی وفات کا ہے اور یہ ۲۰۴ھ ہے[1]

مؤطا کی وجہ تسمیہ

ابو حاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ "مؤطا مالک" کا نام "مؤطا" کیوں رکھا گیا؟ تو انہوں نے فرمایا (امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے) "شَيْءٌ صَنَعَهُ وَوَطَّأَهُ لِلنَّاسِ" ایک چیز تیار کرکے لوگوں کے لئے ہموار کردی اس لئے اس کا نام "مؤطا مالک" ہو گیا۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ میں نے اپنی یہ کتاب فقہاء مدینہ

[1] "بستان المحدثین" اردو۔ ص۲۹۔

میں سے ستر فقہاء مدینہ کے سامنے پیش کی، ان میں سے ہر ایک نے اس میں میری موافقت کی ''فکلّھم واطأني علیہ'' اس لئے میں نے اس کا نام ''موطا'' رکھا۔

ابن فہر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ نام پہلے پہل امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ہی نے ایجاد فرمایا اس لئے کہ آپ کے زمانہ میں جنہوں نے تصنیف فرمائی کسی نے ''الجامع'' نام رکھا، کسی نے ''المؤلف'' کسی نے ''المصنف''۔

وَطِأَ یَطَأُ (روندنا) وَطَّأَ (تفعیل) تیار کرنا، آسان کرنا، ہموار کرنا، وَاطَأَ مُوَاطَأۃً (موافقت کرنا)[1]

موطا کے ایک مبہم راوی کی تعیین

قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ قَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنِ الثِّقَةِ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْأَشَجِّ، فَالثِّقَةُ مَخْرَمَةُ بْنُ بُكَيْرٍ، وَقَالَ النَّسَائِيُّ الَّذِيْ يَقُوْلُ مَالِكٌ فِيْ كِتَابِهِ الثِّقَةُ عَنْ بُكَيْرٍ يُشْبِهُ أَنْ يَكُوْنَ عَمْرَو بْنَ الْحَارِثِ، وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ إِذَا قَالَ عَنِ الثِّقَةِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ فَهُوَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، وَقِيْلَ الزُّهْرِيُّ، وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ كُلُّ مَاكَانَ فِيْ كِتَابِ مَالِكٍ أَخْبَرَنِيْ مَنْ لَا أَتَّهِمُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فَهُوَ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، وَقَالَ ابْنُ حَجَرٍ إِذَا قَالَ عَنِ الثِّقَةِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ قِيْلَ هُوَ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ أَوِ ابْنُ لَهِيْعَةَ، وَعَنِ الثِّقَةِ عَنْ بُكَيْرٍ قِيْلَ هُوَ مَخْرَمَةُ بْنُ بُكَيْرٍ، وَعَنِ الثِّقَةِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ هُوَ نَافِعٌ.[2]

---

[1] مقدمہ اوجز، ص۱۳، الفائدۃ الثانیۃ فی وجہ التسمیۃ بالموطا.

[2] مقدمہ اوجز مصری ص ۳۰

تذکرہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

آپ کی کنیت ابو عبداللہ، اسم مبارک محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع ہے۔ آپ نسباً قریشی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد عبد مناف میں آپ کا نسب مل جاتا ہے۔

بیت المقدس سے دو مرحلے کے فاصلہ پر غزہ یا عسقلان میں ۱۵۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ دو سال کی عمر میں آپ کے والدین آپ کو مکہ لے آئے تھے۔ نہایت تنگدستی میں آپ کی پرورش ہوئی، یہاں تک کہ کبھی یادداشتوں کے لکھنے کے لئے جب آپ کو کاغذ بھی میسر نہ آتا تو جانوروں کی ہڈیوں پر لکھ لیتے۔

آپ کی عمر کا ابتدائی حصہ شعر، تاریخ، ادب وغیرہ کی تحصیل میں گذرا۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں منیٰ میں تھا کہ پشت کی جانب سے مجھے ایک آواز آئی "عَلَيْكَ بِالْفِقْهِ" (فقہ سیکھو) اسباب ظاہرہ میں ایک تقریب یہ بھی پیش آئی کہ مسلم بن خالد زنجی رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ کی ملاقات ہوئی، انہوں نے فرمایا کہ

صاحبزادے! کس ملک کے باشندہ ہو؟

میں نے کہا: مکہ مکرمہ کا۔

فرمایا: مکان کس محلہ میں ہے؟

میں نے کہا: خیف میں۔

---

[1] امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھئے "سیر اعلام النبلاء" ۵/۱۰، "تہذیب النووی" ۱/۴۴، "ابن خلکان" ۱/۵۶۵ و ۵۶۹، "تذکرۃ الحفاظ" ۱/۳۶۱، "حلیۃ الاولیاء" ۹/۶۳ و ۶۵، "الانساب السمعانی" ۷/۲۵۱، "الکامل فی التاریخ" ۶/۴۹۰، "تہذیب الاکمال" ۹/۲۵، "التقریب" ۲/۱۴۳، "تاریخ البخاری الکبیر" ۱/۴۲.

پھر پوچھا کس قبیلے کے ہو؟

میں نے کہا عبد مناف کی اولاد۔

فرمایا: بہت خوب اللہ تعالیٰ نے تمہیں دونوں جہاں کا شرف بخشا ہے، اچھا یہ تھا کہ اپنی اس فہم وذکاوت کو علم فقہ میں خرچ کرتے۔ یہ سن کر آپ نے ان کی شاگردی قبول کی، ان کے بعد پھر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ "موطا" حفظ کر چکے تھے اور آپ کی عمر کل ۱۳ر سال کی تھی "موطا" میں شریک ہوگئے، جب قرأت کا وقت آیا تو آپ نے برزبان قرأت شروع کی، اس پر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو تعجب ہوا اور آپ کی قرأت کو بہت پسند فرمایا، جب یہ ختم کرنے کا ارادہ کرنے لگے تو فرمایا: اور پڑھو! اور پڑھو! امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا تھا کہ:

"تم تقویٰ اپنا شعار رکھنا، ایک زمانہ آئے گا کہ تم بڑے شخص ہوگے۔"

ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں ایک نور ودیعت رکھا ہے، معصیت کرکے اسے ضائع نہ کرنا۔"

اس کے بعد آپ عراق تشریف لے گئے۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ کے شیخ مسلم بن خالد رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتویٰ نویسی کی اجازت دیدی تھی۔

حدیث وتفسیر، فقہ وادب وعربیت کی جملہ خصوصیات کے ساتھ آپ بڑے تیر انداز بھی تھے، دس میں ایک تیر بھی خطا نہ ہوتا تھا۔ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ "مقدمہ شرح مہذب" میں تحریر فرماتے ہیں کہ: امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرمانے پر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اصول فقہ میں "الرسالۃ" تصنیف فرمایا تھا۔ (اسی وجہ سے آپ کو اصول فقہ کا مؤسس کہتے ہیں)

فقہ میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صحیح احادیث کو لیتے اور ضعیف کو ترک

کر دیئے تھے، کسی اور مذہب میں فقہ کی تعمیر اس معیار پر نہیں کی گئی۔ عبادات کے مسائل میں آپ احتیاط کا پہلو اختیار فرماتے تھے۔ آپ کی تصنیف "کِتَابُ الْاُمِّ" اور "اَلرِّسَالَۃ" دونوں طبع ہو کر آج امت کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔

ان تمام فضائل کے باوجود نکتہ چینی سے آپ بھی خالی نہ رہے، حتیٰ کہ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے شخص سے آپ کے متعلق ایسے کلمات منقول ہیں جن کو دیکھ کر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا پڑا:

"وَمِنْ اَیْنَ یَعْرِفُ یَحْیَی الشَّافِعِیَّ وَمَنْ جَھِلَ شَیْئًا عَادَاہُ"

بھلا یحییٰ بن معین امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو کیا جانیں اور جو شخص کسی کو جانتا نہیں وہ اس سے خفا ہی رہتا ہے۔

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ سے متعدد طریقوں سے ثابت ہے کہ وہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ میں کلام کرتے تھے، یہاں تک کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے روکا اور فرمایا کہ تمہاری ان دو آنکھوں نے بھی اس جیسا شخص نہ دیکھا ہوگا۔

تمام علم و فضل کے ساتھ سخی اس درجہ کے تھے کہ حمیدی ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ آپ صنعاء سے تشریف لائے تھے اس وقت آپ کے پاس دس ہزار دینار تھے، آپ کا خیمہ مکہ مکرمہ سے باہر لگا ہوا تھا، لوگ ملاقات کے لئے آتے تھے اور آپ ان کو دینار تقسیم کرتے، یہاں تک کہ بیٹھے بیٹھے آپ نے وہ تمام رقم لوگوں پر تقسیم کر ڈالی۔

وہ احادیث مرفوعہ جن کو خود امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے شاگردوں کے روبرو سند سے بیان فرمایا کرتے تھے اور روایت کیا کرتے تھے اور ان حدیثوں میں سے جو حدیثیں ابو العباس محمد بن یعقوب الاصم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ربیع بن سلیمان مرادی رحمہ اللہ تعالیٰ سے سن کر "کتاب الام" اور "مبسوط" کے ضمن میں جمع کی تھیں ان کو

کو جمع کر کے "مسند شافعی" نام رکھ دیا ہے۔

ابن خلکان، ربیع بن سلیمان مرادی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے وفات کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ان سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے ایک سنہری کرسی پر بٹھا کر میرے اوپر تر و تازہ موتیوں کی بکھیر کی۔

۱۹۵ھ میں بغداد گئے، دو سال وہاں قیام فرمایا، پھر مکہ مکرمہ آئے، ۱۹۸ھ میں پھر بغداد شریف لے گئے، چند ماہ قیام فرما کر ۱۹۹ھ میں مصر آئے، پھر وفات ۲۰۴ھ تک یہیں رہے۔ جمعہ کے دن انتقال ہوا اور بعد عصر مدفون ہوئے۔ قبر مبارک قرافہ صغریٰ میں مخلوقِ خدا کے لئے زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔

تذکرہ امام احمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ آپ کی پیدائش ۱۶۴ھ میں بغداد میں ہوئی اور وہیں ۲۴۱ھ میں آپ کی وفات بھی ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک باب حرب میں واقع ہے، یہ محلہ حرب بن عبداللہ کی طرف منسوب ہے۔

عباس بن محمد دوری کہتے ہیں کہ آپ عرب کے مشہور خاندان بنی ذہل بن شیبان بن ثعلبہ سے متعلق تھے۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں یہ عباس دوری کی غلطی ہے، آپ کا خاندان بنی شیبان بن ذہل بن ثعلبہ تھا، یہ ذہل بن ثعلبہ رشتے میں شیبان کا چچا ہے۔

آپ کے دو بیٹے تھے: صالح اور عبداللہ، اسی دوسرے بیٹے کے نام پر ابوعبداللہ آپ کی کنیت تھی۔ آپ نہایت خوبصورت تھے، قد میانہ تھا، بالوں پر مہندی کا خضاب لگاتے تھے، ریش مبارک میں کچھ بال سیاہ تھے، سفید رنگ کے موٹے کپڑے پہنتے تھے، آپ کا خاص لباس ازار اور عمامہ تھا۔

اپنے زمانہ کے متفق علیہ امام تھے، قتیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو امام الدنیا کہا کرتے تھے۔ اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان اس کی حجت ہیں۔ علی بن مدینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ نے اس دین کو دو شخصوں کے ذریعہ عزت

۱۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے تذکرے کے لئے دیکھیے: "تاریخ بغداد" ۴/۴۱۲، "حلیۃ الاولیاء" ۹/۱۶۱ و ۲۳۳، "تہذیب الاسماء واللغات" ۱/۱۱۰ و ۱۱۲، "وفیات الاعیان" ۱/۶۳ و ۶۵، "تہذیب الکمال" ۱/۴۳۷، "تذکرۃ الحفاظ" ۲/۴۳۱، "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" ۲/۲۷ و ۳۷، "البدایۃ والنہایۃ" ۱۰/۳۲۵ و ۳۴۳، "سیر اعلام النبلاء" ۱۱/۱۷۷۔

نصیب فرمائی ہے تیسرا مجھے کوئی اور شخص معلوم نہیں ہے پہلے ظہور ارتداد کے وقت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور دوسرے فتنہ خلق قرآن کے زمانہ میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ اسمٰعیل خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ اگر امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل میں پیدا ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے معجزوں میں ایک معجزہ شمار ہوتے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ طلب علم کے لئے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کوفہ، بصرہ، حرمین شریفین، یمن اور شام وغیرہ کا سفر کیا ہے۔ شیخ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام شافعی، امام ابو یوسف، وکیع ابن الجراح، یحییٰ بن ابی زائدہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کو آپ کے اساتذہ میں اور ائمہ ستہ میں امام بخاری و امام مسلم و امام ابوداؤد رحمہم اللہ تعالیٰ کو تلامذہ کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ: آپ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص شاگردوں میں سے تھے، جب تک امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بغداد میں رہے آپ ان کی خدمت سے کبھی جدا نہیں ہوئے، جب امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بغداد چھوڑ کر مصر جانے لگے تو چلتے وقت فرمایا میں نے بغداد میں ان جیسا متقی اور فقیہ کوئی اور نہیں چھوڑا۔

ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ مصر تشریف لے گئے تو مجھ سے فرمایا میرا ایک خط امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو پہنچا دو اور اس کا جواب مجھے لا دو! میں خط لے کر بغداد پہنچا، صبح کی نماز میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی، جب محراب سے اٹھے تو میں نے خط پیش کیا اور عرض کیا کہ یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا خط ہے، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا تم نے اس کو دیکھا؟ میں نے عرض کیا نہیں، اس کے بعد آپ نے مہر توڑی اور پڑھا، تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں، میں نے پوچھا اے ابو عبداللہ خیر تو ہے فرمائیے کیا لکھا ہے؟ فرمایا لکھا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا، فرماتے تھے کہ:

"ابو عبداللہ کو میرا سلام کہو اور کہو وہ اس کا امتحان ہوگا، اور خلق قرآن کے قائل ہونے پر اسے مجبور کیا جائے گا، وہ اس کو منظور نہ کریں، اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں تا قیامت ان کا نام اور علم روشن رکھے گا۔"

ربیع کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے ابوعبداللہ بشارت مبارک ہو، فوراً امام احمد نے اپنی قمیصوں میں سے نیچے والی قمیص جو جسم سے متصل تھی اتار کر مجھے انعام میں دیدی، میں اس کا جواب لے کر مصر آیا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کردیا، امام شافعی نے دریافت فرمایا ابو بشارت کے صلہ میں کیا انعام لائے ہو؟ میں نے کہا امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا کرتہ ہے، فرمایا یہ تکلیف تو میں تجھے نہیں دے سکتا کہ وہ قمیص ہی مجھے دیدے، البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ اسے پانی میں بھگو کر نچوڑ اور وہ پانی مجھے دیدے تاکہ میں اسی کو تبرک رکھوں۔

اس واقعہ سے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی منقبت کے علاوہ یہ بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ پہلے محدثین رحمہم اللہ کے درمیان کیسے تعلقات ہوتے ہیں، ان کا جو اختلاف تھا وہ صرف اللہ کے نام پر تھا۔ اس امتحان کی تفصیلی روئیداد شیخ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "طبقات شافعیہ" میں بیان کی ہے۔

قتیبہ بن سعید امام احمد اور وکیع رحمہما اللہ تعالیٰ کے درمیان کے ایک مذاکرہ کا حال نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ دروازہ کی چوکھٹ پکڑ کر کھڑے ہوئے اور سلسلہ سے سفیان کی جو روایات ہیں ان کا تذکرہ ہونے لگا، دونوں آپس میں ایسے محو ہوئے کہ تمام رات یونہی کھڑے کھڑے کٹ گئی اور کسی کو خبر نہ ہوئی، جب صبح ہونے لگی تو آپ کی باندی حاضر ہوئی اور کہا کہ زہرہ ستارہ نکل چکا ہے۔

آپ کی مشہور تصنیفات میں "مسند احمد" سب سے زیادہ قابل ذکر ہے۔ حنبل بن اسحٰق رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے بھتیجے کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے

کہا کہ یہ کتاب میں نے سات لاکھ سے زیادہ احادیث کے ذخیرہ سے منتخب کی ہے تاکہ مسلمانوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا ایک معیار بن جائے جو حدیث اس میں مل جائے اسے حجت سمجھا جائے اور جو نہ ملے اسے حجت سمجھا نہ جائے۔

ابو زرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو دس لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ آپ کی وفات کے بعد جب آپ کی کتابوں کا تخمینہ کیا گیا تو دس اونٹوں کے بوجھ سے زیادہ تھا اور وہ سب آپ کو زبانی حفظ تھیں۔

جمعہ کے دن آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے جنازہ میں نمازیوں کا اتنا ہجوم تھا کہ متوکل بادشاہ کے حکم سے جب نمازیوں کے قیام کی جگہ ناپی گئی تو پیمائش کے حساب سے دو لاکھ پچاس ہزار آدمیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ تھی۔

ورکانی امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا پڑوسی بیان کرتا ہے کہ آپ کی وفات کے دن بیس ہزار یہود ونصاریٰ اور مجوس مسلمان ہوئے تھے، لیکن ذہبی نے اس حکایت کو تسلیم نہیں کیا اور منکر کہا ہے۔

احمد بن محمد کندی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا پوچھا اے ابو عبداللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا: بخش دیا اور مجھے کہا اے احمد! ہمارے ہی لئے تم نے کوڑے کھائے تھے، میں نے عرض کیا اے پروردگار! جی ہاں، ارشاد ہوا تو اے احمد میرا دیدار کر لے۔

اللہ تعالیٰ کے جن بندوں نے بھی رب کی راہ میں مصیبتیں جھیلی ہیں، ان کے نامۂ اعمال میں وہی ان کا سب سے زیادہ وزنی عمل ثابت ہوئی ہیں۔

تذکرہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن ضحاک السلمی البوغی (بوغ ایک گاؤں کا نام ہے جو ترمذ کے دیہات میں سے ہے اور اس سے چھ فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے) ترمذی۔ ترمذ اس پرانے شہر کا نام ہے جو دریائے آمو (جس کو جیحون اور نہر بلخ بھی کہتے ہیں) کے کنارے پر واقع ہے۔ لفظ ماوراء النہر میں بھی بیشتر یہی شہر مراد لی گئی ہے۔ ترمذ تاء کے کسرہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ زیادہ مشہور ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے سب سے مشہور شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ خود امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں بہت سے کلماتِ تعریف منقول ہیں۔ محدثین ان کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ کہتے ہیں۔ ان کے افتخار کے لئے یہ کافی ہے کہ خود امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ امام مسلم، امام ابوداؤد رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے شیوخ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

کوفہ، بصرہ، ری، خراسان اور حجاز میں طلبِ حدیث کے لئے سالہا سال سفر کرتے رہے۔ ان کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک شیخ کی روایت کے دو جز انہوں نے نقل کئے تھے، مگر اب تک ان کو پڑھ کر سنانے کا موقع نہ ملا تھا، مکہ مکرمہ کے راستے میں

---

[1] امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھئے! "تهذيب الكمال في أسماء الرجال" ٢٦/٢٥٠، "سير أعلام النبلاء" ١٣/٢٧٠، "الكامل في التاريخ" ٧/٤٦٠، "وفيات الأعيان" ٤/٢٧٨، "ميزان الاعتدال" ٣، الترجمة: ٨٠٣٥، "ثقات ابن حبان" ٩/١٥٣.

اتفاقاً ان سے ملاقات ہوگئی، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرصت غیر مترقبہ سمجھ کر ان سے ان اجزاء کے قرآت کی درخواست پیش کی۔ شیخ نے قبول فرمایا اور کہا ان اجزاء کو نکال لو! میں پڑھتا ہوں تم مقابلہ کرتے جاؤ! امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تلاش کیا تو اتفاقاً وہ اجزاء ان کے ساتھ نہ تھے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت گھبرائے، لیکن اس وقت ان کی سمجھ میں سوائے اس کے اور کچھ نہ آیا کہ دو اجزاء کے سادہ کاغذ ہاتھ میں لے کر فرضی طور پر سننے میں مشغول ہو جائیں۔ شیخ نے قرآت شروع کی اتفاقاً ان کی نظر کاغذات پر پڑ گئی تو سادے نظر آئے، شیخ کو طیش آیا اور فرمایا کیا میرا مذاق بناتے ہو! امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجبوراً جو واقعہ تھا صاف عرض کر دیا اور کہا اگر چہ وہ اجزاء میرے ساتھ نہیں ہیں، لیکن مجھے لکھے ہوئے سے زیادہ محفوظ ہیں۔ شیخ نے فرمایا اچھا ذرا پڑھ کر سناؤ! امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وہ تمام حدیثیں پڑھ کر سنادیں۔ شیخ بہت متعجب ہوئے، فرمایا یقین نہیں آتا کہ صرف میرے ایک بار پڑھنے سے یہ سب حدیثیں تم کو محفوظ ہوگئی ہوں گی؟ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرض کیا اچھا امتحان کر لیجئے! شیخ نے خاص اپنی چالیس حدیثیں اور پڑھیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کو بھی اس صحت کے ساتھ سنا دیا کہ کہیں ایک جگہ غلطی نہ ہوئی۔ اس واقعہ کے علاوہ ان کے حفظ کے اور بہت واقعات مشہور ہیں۔

"جامع ترمذی" ان کی بہت مشہور تصنیف ہے۔ مجموعی حدیثی فوائد کے لحاظ سے اس کتاب کو تمام کتابوں پر فوقیت دی گئی ہے۔ عراقیین اور حجازیین دونوں کے مسائل پر الگ الگ باب قائم کرتے ہیں۔ ہر باب کے تحت اگرچہ حدیث کا ذخیرہ تفصیلاً تو پیش نہیں کرتے، لیکن اس باب میں جتنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثیں ان کی زیر نظر ہوتی ہیں سب کی طرف صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام گنوا کر اشارات کر جاتے ہیں۔ رواۃ کی جرح و تعدیل، مشہور اسماء کی کنیتیں اور مشہور کنیتوں کے اسماء، سلف کا تعامل، ائمہ کے مسالک پر تقریباً ہر باب میں تنبیہ کرتے چلے جاتے

ہیں۔ اس لحاظ سے اگرچہ یہ کتاب اپنے حجم کے اعتبار سے مختصر ہے، لیکن فوائد کے لحاظ سے بہت بڑی کتاب ہے۔ "ترمذی" سے پہلے بھی کو حدیث کی مثالی قسم کا پتہ چلتا ہے، مگر حسن و صحیح کو ہر جگہ اتنا روشن کرنے والے یہی پہلے شخص ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس پر امت میں کسی نہ کسی کا عمل نہ ہو۔

حفظ و اتقان، علم و فہم کے ساتھ بہت خدا ترس بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف وخشیت ان پر اتنا غالب تھا کہ روتے روتے آخر کار ان کی بینائی جاتی رہی۔

ان کی کنیت ابو عیسیٰ تھی۔ "ابو داؤد" میں اس کنیت کی ممانعت منقول ہے۔ شارحین حدیث نے اس کی مختلف توجیہات نقل کی ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "بستان المحدثین" میں عام شارحین کے علاوہ ایک جدید توجیہ کی ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو عیسیٰ تھی تو ان سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم کو ابو عبداللہ کی کنیت کافی نظر نہیں آتی؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنیت سے پکارا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں اور بھول چوک اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی تھیں اور ہم تو ایک امر مضطرب میں مبتلا ہیں، پھر انہوں نے مرتے دم تک اپنی کنیت ابو عبداللہ ہی رکھی۔

"اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَنَّانِیْ" کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابو عیسیٰ کہہ کر بلایا اور پکارا ہے نہ یہ کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ تیری کنیت ابو عیسیٰ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام سے یہ معنی ہیں کہ ابو عیسیٰ کی کنیت مکروہ ہے یہ کنیت نہ رکھنی چاہیے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اس کنیت کے ساتھ پکار لیا تو تمہارے لئے یہ مناسب نہیں کہ

اسے اپنی سنت قرار دیدو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی صرف بیان جواز کے لئے بیک امر اولیٰ ترک فرما دیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ترک اولیٰ کراہیت سے پاک تھا۔ آپ کو یہ ضرورت بھی محض تبلیغ حکم کی وجہ سے پیش آئی اور "مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ"[۱] کے معنی بھی یہی ہیں۔

---

[۱] بستان العارفین اردو ص ۸۲۔

تذکرہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحٰق بن بشیر بن شداد بن عمران الازدی السجستانی۔ آپ کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی۔ سجستان کی تحقیق میں مورخ ابن خلکان نے ایک مشہور غلطی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ بصرہ میں ایک قریہ کا نام ہے۔ شیخ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ان کا وہم ہے۔ صحیح یہ ہے کہ سیستان قندھار و چشت کے قریب ایک مقام ہے یہ نسبت اسی کی طرف ہے۔

انہوں نے مصر، وشام، حجاز و عراق اور خراسان وغیرہ بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا ہے۔ حفظ و اتقان، روایت وعبادت، تقویٰ وصلاح میں یگانۂ روزگار تھے۔ حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کہا کرتے تھے کہ: امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کسی پس وپیش کے بغیر اپنے زمانہ کے امام تھے۔ موسیٰ بن ابراہیم جو ان کے معاصر تھے فرمایا کرتے تھے کہ: امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ دنیا میں حدیث کے لئے اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ابراہیم بن حربی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے کہ:

علم حدیث ان کے لئے اس طرح نرم کردیا گیا تھا جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا۔ امام ترمذی وامام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے ائمہ حدیث کا ان کے تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ خود امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ تو ان کے

---

[1] امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھئے! "تاریخ بغداد" ۹/۵۵، "تہذیب الکمال" ۱۱/۳۵۵، "ثقات ابن حبان" ۸/۲۸۲، "انساب السمعانی" ۷/۴۶، "الکامل فی التاریخ" ۷/۲۷۵، "وفیات الاعیان" ۲/۴۰۴، "سیر اعلام النبلاء" ۱۳/۲۰۳، "تذکرۃ الحفاظ" ۲/۵۹۱، "طبقات السبکی" ۲/۴۸، "البدایۃ والنہایۃ" ۱۱/۵۴، "بستان المحدثین" اردو، ص۱۸۶۔

اساتذہ میں ہیں، لیکن امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعض استاذوں نے ان سے روایت کی ہے، بلکہ امام احمد رحمہ اللہ نے بھی عتیرہ کی حدیث ان سے روایت کی ہے۔

"سنن ابوداؤد" ان کی مشہور تصنیف ہے۔ اس میں ۴۸۰۰ حدیثیں حسن و صحیح جمع کی ہیں اور اپنے نزدیک کوئی ایسی حدیث درج نہیں کی جو قابلِ حجت نہ ہو۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب اس کتاب کو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے بہت پسند فرمایا۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے پانچ لاکھ حدیثوں کے مجموعہ میں سے انتخاب کر کے اس کتاب کو مرتب فرمایا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ان احادیث میں سے عقلمند کے لئے دین میں صرف چار حدیثیں کفایت کرتی ہیں:

❶ ..... "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ"

ترجمہ: "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"[1]

❷ ..... "مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ"

ترجمہ: "کسی شخص کے اچھا مسلمان ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔"[2]

❸ ..... "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ"

ترجمہ: "اس وقت تک مؤمن کامل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جس کو وہ خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"[3]

---

[1] أبوداؤد، باب في ما عني به الطلاق والنيات، كتاب الطلاق، رقم الحديث ٢٢٠١.

[2] مشكوٰة ص ٤١٣، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم.

[3] مشكوٰة ص ٤٢٣، باب الشفقة والرحمة على الخلق.

❹ ..... "اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ"

ترجمہ: "حلال و حرام دونوں ظاہر ہیں اور ان کے درمیان (کچھ امور) مشتبہات (ملے جلتے) ہیں پس جس شخص نے شبہات سے پرہیز کیا اس نے اپنے دین کو محفوظ کر لیا۔[1]"

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے کافی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ شریعت کے قواعد کلیہ مشہورہ معلوم کرنے کے بعد جزئیات مسائل میں کسی مجتہد یا مرشد کی ضرورت باقی نہیں رہتی، مثلاً عبادت کی درستگی کے لئے پہلی حدیث اور عمر عزیز کے اوقات کی حفاظت کے لئے دوسری حدیث اور حقوق ہمسایہ و خویش واقارب اور دوسرے اہل تعارف و معاملہ کی رعایت کے لئے تیسری حدیث اور ان شکوک و تردّدات کے ازالہ کے لئے جو اختلاف علماء یا دلائل کے مختلف ہونے سے پیدا ہوتے ہیں چوتھی حدیث کافی ہے، گویا مرد عاقل کے لئے یہ چاروں حدیثیں استاد و پیر کے درجہ میں ہیں۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کے فقہی مسلک میں اختلاف ہے، ابن خلکان نے لکھا ہے کہ شیخ ابو اسحٰق شیرازی نے "طبقات الفقہاء" میں انہیں حنابلہ میں شمار کیا ہے۔ حافظ ذہبی کے بیان سے بھی یہی قیاس ہوتا ہے۔

لباس میں آپ کی ایک خاص عادت تھی، وہ یہ کہ اپنی قمیص کی ایک آستین فراخ اور دوسری تنگ رکھا کرتے تھے، جب آپ سے سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا: ایک آستین تو اس لئے کشادہ رکھتا ہوں کہ اس میں اپنی کتاب کے کچھ اجزاء رکھ لوں، دوسری آستین کشادہ رکھنا اسراف میں داخل سمجھتا ہوں۔

۱۶ر شوال ۲۷۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور بصرہ میں دفن ہوئے، تہتر سال کی

---

[1] ابو داؤد، باب فی اجتناب الشبہات، کتاب البیوع، رقم الحدیث ۳۳۲۹۔

عمر پائی۔

آپ کا عجیب واقعہ

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ بڑی کشتی پر سوار کسی جگہ تشریف لے جارہے تھے، اچانک ساحل پر کھڑے کسی شخص کو چھینک آئی، اس نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" کہا، امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کشتی میں سواری کی حالت میں تحمید سنی، آپ نے کشتی بان سے کہہ کر ایک چھوٹی کشتی جو بڑی کشتی کے ساتھ تھی ایک درہم میں کرایہ پر لی اور کنارے پر تشریف لے گئے اور اس کی تحمید کا جواب دیا، جب بڑی کشتی میں داخل ہوئے تو لوگوں نے اس عمل کی وجہ معلوم کی تو فرمایا میں اس خیال سے گیا تھا ممکن ہے کہ وہ مستجاب الدعوات ہو اور جب میں اس کو "یَرْحَمُکَ اللّٰہ" کہوں تو وہ جواب میں ہدایت کی دعا دے اور وہ دعا قبول ہو جاوے، اسی آرزو میں یہ زحمت اٹھائی، جب سفر آگے کو ہوا اور تمام کشتی والے سو گئے تو ایک غیبی آواز سنائی دی:

"یَا اَھْلَ السَّفِیْنَۃِ اِنَّ اَبَا دَاوٗدَ اِشْتَرَی الْجَنَّۃَ بِدِرْھَمٍ۔"

ترجمہ: "اے کشتی والو! ابوداؤد نے ایک درہم میں جنت خرید لی۔"

تذکرہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار نسائی، نسا: خراسان میں ایک مشہور شہر ہے، اس کی طرف نسبت میں نسوی بھی کہا جاتا ہے (اور قیاس کے مطابق بھی یہی ہے مگر مشہور نسائی ہے) بہت بڑے حافظ حدیث ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۱۴ھ میں ہوئی۔ (بعض ۲۱۵ھ بھی بتاتے ہیں)

ذہبی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ سے پوچھا امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ زیادہ حفظ رکھتے ہیں یا امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ؟ فرمایا: امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ پھر میں نے اپنے والد سے یہی سوال کیا انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

ابن طاہر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سعد بن علی زنجانی سے میں نے ایک شخص کا حال دریافت کیا انہوں نے اس کو ثقہ فرمایا۔ میں نے کہا کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ تو اس کو ضعیف سمجھتے تھے۔ فرمایا کہ راویوں کے متعلق امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرائط امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ سخت تھیں۔ ابن الحداد شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے اور اللہ کے مابین امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کو واسطہ بنا چکا ہوں۔

طلب حدیث کے لئے انہوں نے حجاز، عراق، شام اور مصر وغیرہ کا سفر کیا تھا۔

---

[1] امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمے کے لئے دیکھئے: "تهذيب الكمال" ٣٢٨/١، "الكامل في التاريخ" ٩٥/٨، "وفيات الاعيان" ٧٧/١ و ٧٨، "تهذيب التهذيب" ٣٦/١، "تذكرة الحفاظ" ٦٩٨/٢، "طبقات الشافعية الكبرى" ٨٣/٣، "البداية والنهاية" ١٢٣/٦ و ١٢٤، بستان المحدثين اردو ١٠٨

بڑے بڑے شیوخ سے ملاقات کی تھی۔ سب سے پہلے یہ قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس گئے ہیں، اس وقت ان کی عمر پندرہ سال کی تھی اور ایک سال دو ماہ ان کی خدمت میں قیام کیا۔ کہتے ہیں کہ فروع میں یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک پر تھے۔ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ بایں ہمہ کثیر الجماع تھے، چنانچہ چار عورتیں آپ کے نکاح میں تھیں اور ہر ایک کے پاس ایک ایک شب رہتے تھے۔ ان کے علاوہ لونڈیاں بھی موجود تھیں۔

پہلے انہوں نے "سنن کبریٰ" تصنیف فرمائی تھی۔ امیرِ وقت نے ان سے پوچھا کہ اس کتاب میں جتنی حدیثیں آپ نے جمع کی ہیں کیا وہ سب صحیح ہیں؟ فرمایا نہیں حسن بھی ہیں۔ اس نے کہا میرے لئے ایک مجموعہ مرتب فرما دیجئے جس میں صرف صحیح حدیثیں ہوں۔ اس کے بعد آپ نے "سنن صغریٰ" تالیف فرمائی جس کو "مجتبیٰ" بھی کہا جاتا ہے۔

ان کی وفات کا واقعہ یہ ہے کہ جب یہ حضرت علی اور اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مناقب لکھ کر فارغ ہو گئے تو انہوں نے چاہا کہ ان کو دمشق کی جامع مسجد میں پڑھ کر سنائیں، تاکہ بنو امیہ کی سلطنت کے اثر سے عوام میں ناصبیت کی طرف جو رجحان پیدا ہو گیا تھا اس کی اصلاح ہو جائے، ابھی اس کا تھوڑا سا ہی حصہ پڑھنے پائے تھے کہ ایک شخص نے پوچھا: امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کے متعلق بھی آپ نے کچھ لکھا ہے؟ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اگر وہ برابر سرابر چھوٹ جائیں تو بہت غنیمت ہے، مناقب تو ان کے کہاں ہیں؟ پھر کیا تھا لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور شیعہ شیعہ کہہ کر مارنا پیٹنا شروع کیا۔ ان کے خصیتین میں چند شدید ضربیں ایسی پہنچیں کہ نیم جان ہو گئے۔ خادم ان کو اٹھا کر گھر لے آئے۔ آپ نے فرمایا مجھے ابھی مکہ مکرمہ پہنچا دو تاکہ میرا آخری وقت وہیں ہو۔ کہتے ہیں کہ جب امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ کا انتقال ہو گیا اور صفا و مروہ کے درمیان دفن

کے گئے۔ ۲ رصفر ۳۰۳ھ میں جمعہ کے دن آپ کا انتقال ہوا۔ بعض کا قول یہ بھی ہے کہ مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستہ میں بمقام شہر رملہ (فلسطین) انتقال ہوا، پھر وہاں سے آپ کی نعش مکہ معظمہ پہنچائی گئی، واللہ اعلم۔

تذکرہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن عبد اللہ ابن ماجہ قزوینی الربعی۔ ربیعہ والد کی طرف نسبت ہے۔ ابن خلکان بیان کرتے ہیں کہ ربیعہ عرب کے متعدد قبیلوں کا نام ہے، معلوم نہیں کہ ان بزرگ کی نسبت ان میں سے کس کی طرف ہے۔ قزوین عراق عجم کا مشہور شہر ہے۔

ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی نافع اور مفید کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک "سنن ابن ماجہ" بھی ہے، جس کا صحاح ستہ میں شمار ہے۔ وہ جب اس کی تالیف سے فارغ ہوئے تو اس کو ابو زرعہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس پیش کیا، انہوں نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں آگئی تو (حدیث کی موجودہ) تصنیفات یا ان میں سے اکثر معطل ہو کر رہ جائیں گی۔ فی الحقیقت احادیث کو بلا تکرار بیان کرنے اور حسن ترتیب و اختصار کے لحاظ سے کوئی کتاب اس کے ہمسر نہیں ہے۔ حافظ ابو زرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی صحت پر گواہی دی ہے، انہوں نے فرمایا ہے کہ میرا گمان غالب یہ ہے کہ اس کتاب میں ایسی حدیثیں جن کی سندوں میں کچھ خلل ہے یا وہ منکر یا شدید الضعف ہیں تیس سے زیادہ نہ ہوں گی۔ اس سنن میں بتیس کتابیں ہیں۔ ایک ہزار پانچ سو ابواب و کل چار ہزار احادیث ہیں۔

[1] امام ابن ماجہ قزوینی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے: "سیر اعلام النبلاء" ۱۳/۲۷۷، "تہذیب الکمال" ۲۷/۴۰، "تذکرۃ الحفاظ" ۲/۶۳۶، "الکاشف" ۳/ الترجمة ۵۳۱۳، "تہذیب التہذیب" ۹/۵۳۰ و ۵۳۲، "بستان المحدثین" اردو ص ۱۹۰۔

صحیح یہی ہے کہ ماجہ (جیم کی تخفیف) آپ کی والدہ کا نام ہے۔ ابن میں الف لکھنا چاہیے تاکہ معلوم ہوجائے کہ ابن ماجہ محمد کی صفت ہے نہ کہ عبد اللہ کی۔

ان کی تصانیف میں سے قرآن کی تفسیر اور "کتاب التاریخ" ہے۔

ابن ماجہ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کو عراق، بصرہ، کوفہ، بغداد، مکہ، مدینہ، شام، مصر، واسط، رے اور دوسرے اسلامی شہروں میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ حدیث کے تمام صیغوں سے واقفیت اور شناسائی رکھتے تھے۔

جبارہ بن المغلس، ابراہیم بن المنذر، ابن نمیر، ہشام بن عمار رحمہم اللہ تعالیٰ اور اس طبقہ کے دوسرے بزرگوں سے علم حدیث حاصل کیا۔ ابوبکر ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ تر استفادہ کیا۔ ۲۲ رمضان المبارک ۲۷۳ھ میں دوشنبہ کے روز ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ہوا اور سہ شنبہ کے دن دفن ہوئے۔

تذکرہ امام دارمی رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

آپ کا نام و نسب یہ ہے: ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام بن عبدالصمد تمیمی، دارمی، سمرقندی ہے، جس سال عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات ہوئی اس سال دارمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت ہے یعنی ۱۸۱ھ میں۔

دیانت، علم، اجتہاد اور عبادت میں ضرب المثل تھے۔ حدیث کی تلاش میں بلادِ اسلامیہ کا دور دور کا سفر کیا۔ دارمی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے زمانہ کے امام تھے۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد اور امام احمد بن حنبل کے فرزند عبداللہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم جیسے ائمہ حدیث آپ کے تلامذہ کی فہرست میں شامل ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی "سنن صغریٰ" کے علاوہ ان سے روایت کی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ خراسان میں چار شخص حافظ حدیث ہیں:

ابو زرعہ رازی، محمد بن اسماعیل بخاری، عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی، حسن بن شجاع بلخی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

"مسند دارمی" آپ کی مشہور تصنیف ہے اس کو مسند کہنا محدثین کی اصطلاح کے خلاف ہے۔

[1] امام دارمی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمے کے لئے دیکھیے: "تاریخ بغداد" ۲۹/۱۰ و ۳۲، "انساب السمعانی" ۳۵۲/۵، "الکامل فی التاریخ" ۲۱۷/۷، "تذکرۃ الحفاظ" ۵۳۴/۲، "سیر اعلام النبلاء" ۲۲۴/۱۲، "تہذیب الکمال" ۲۱۰/۱۵، "الثقات ابن حبان" ۳۶۴/۸، "تہذیب التہذیب" ۲۹۴/۵ و ۲۹۶، "بستان المحدثین" اردو، ص ۷۴

مجموعہ کتاب ۳۵۵۷ حدیثوں پر مشتمل ہے۔[1]

پنجشنبہ (یوم عرفہ) ۲۵۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی اور عید الاضحیٰ یوم جمعہ کو مدفون ہوئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو جب ان کی وفات کی خبر پہنچی تو انتہائی صدمہ سے سر جھکا لیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ حسرت آمیز شعر نکل گیا، حالانکہ بجز ان اشعار کے جو احادیث میں روایت کئے گئے ہیں آپ کبھی کوئی شعر نہیں پڑھتے تھے ؎

اِنْ تَبْقَ تُفْجَعْ بِالْاَحِبَّةِ کُلِّهَا وَفَنَاءِ نَفْسِكَ لَا اَبَالَكَ اَفْجَعُ

ترجمہ: "اگر تو زندہ رہا تو تمام دوستوں کی مفارقت کا درد تجھ کو سہنا پڑے گا، مگر تیری موت کا سانحہ ان سب سے دردناک ہے۔"

---

[1] احادیث میں سب سے اعلیٰ اور اقرب اسانید "ثلاثیات" شمار ہوتی ہیں، ایسی روایات "مسند دارمی" میں پندرہ (۱۵) تک مروی ہیں۔ (مقدمہ اشعۃ اللمعات: ۲۰:۱)

تذکرہ امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

آپ کا نام ونسب یہ ہے: علی بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان بن دینار بن عبداللہ۔ آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ شافعی المذہب تھے۔ دارقطن بغداد میں ایک بڑا محلہ ہے وہیں آپ رہتے تھے۔

آپ ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ طلب حدیث کے لئے آپ نے کوفہ، بصرہ، شام، واسط، مصر اور بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا ہے۔

حاکم عبدالغنی منذری صاحب ترغیب وترہیب، تمام رازی صاحب فوائد مشہورہ اور ابونعیم صاحب حلیہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے ائمہ حدیث آپ کے زمرۂ تلامذہ میں شامل تھے۔

فن علل واسماء الرجال میں استاذ مانے جاتے تھے اور اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ خطیب حاکم وغیرہ کو آپ کے تفوق کا اعتراف تھا۔ فنون حدیث کے علاوہ فن قرأت وتجوید میں بھی آپ کو کافی دستگاہ تھی۔

قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ اپنے زمانۂ شباب میں اسماعیل صفار کی مجلس میں املاء میں بیٹھے ہوئے کچھ تحریر فرما رہے تھے، حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ اس طرح تو تمہارا سماع معتبر نہیں ہوسکتا، ایک طرف لکھنے میں مشغول ہو اور دوسری طرف حدیث بھی سن رہے ہو! دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا اچھا جناب کو یاد ہے کہ اب تک شیخ نے کتنی حدیثیں املاء کرائی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اٹھارہ حدیثیں، پھر ان تمام حدیثوں کو باترتیب حفظ سنا دیا۔ یہ دیکھ کر

---

[1] امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمے کے لئے دیکھئے! "وفیات الاعیان" ۲۹۷/۳، "سیر اعلام النبلاء" ۴۵۷/۱۶، "بستان المحدثین" اردو، ص ۷۵۔

اہل مجلس حیران رہ گئے۔

ابوالحسن بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو اپنے ہمراہ لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یہ شخص بڑی دور دراز سے علم حدیث طلب کرنے کے لئے آیا ہے براہِ مہربانی چند حدیثیں اس کو بھی املاء کرادیجئے، دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لطائف الحیل سے ٹالنے کے لئے یہ جواب دیا کہ مجھ کو فرصت نہیں، جب ابوالحسن بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت اصرار کیا تو اس کو بیس سندیں ایسی لکھوائیں جن کا متن یہ تھا:

"نِعْمَ الشَّيْءُ الْهَدِيَّةُ أَمَامَ الْحَاجَةِ"

دوسرے دن وہ مردِ غریب کوئی مناسب ہدیہ لے کر حاضر ہوا تو اس کو سترہ سندیں لکھوائیں اور ان سب کا متن یہ تھا:

"إِذَا أَتَاكُمْ كَرِيْمُ قَوْمٍ فَأَكْرِمُوْهُ"

آپ کی علمی ظرافتوں میں سے ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ ایک دن آپ نماز میں مشغول تھے اور کوئی شخص غلطی سے "نُسَير" کو "بشير" پڑھ رہا تھا، دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "سُبْحَانَ اللّٰہِ" کہا تاکہ وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہو جائے مگر وہ نہ ہوا اور اب کی بار یُسیر (یاء کے ساتھ) پڑھنے لگا، جب آپ نے دیکھا کہ یہ کسی طرح اصلاح پر نہیں آتا تو آپ نے بلند آواز سے ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ﴾ پڑھنا شروع کر دیا تاکہ وہ سمجھ جائے کہ اس راوی کا نام نون کے ساتھ ہے۔

اسی طرح ایک شخص عمرو بن شعیب کو عمرو بن سعید پڑھ رہا تھا، یہاں بھی آپ نے "سُبْحَانَ اللّٰہِ" کہا، جب وہ ادا کرنے میں اٹکنے لگا تو آپ نے یہ آیت تلاوت کی ﴿يَا شُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ﴾ (نماز میں اس طرح تلقین کرنا شوافع کے یہاں جائز ہے مگر احناف کے نزدیک درست نہیں)

آپ کی وفات ۸ ذیقعدہ ۳۸۵ھ میں جمعرات کے روز ہوئی۔ حافظ ابو نصر

ابن ماکولا رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں فرشتوں سے دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حال پوچھ رہا ہوں، انہوں نے مجھے یہ جواب دیا کہ جنت میں ان کا لقب امام ہے۔ مقبرۂ باب حرب میں معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آپ کا مزار مبارک بنا ہوا ہے۔

تذکرہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ [1]

آپ کی کنیت ابوبکر ہے اور نام ونسب یہ ہے: احمد بن الحسین بن علی بن عبداللہ بن موسیٰ بیہقی۔ بیہقی کی نسبت بیہق کی طرف ہے اور بیہق چند گاؤں کا نام ہے جو باہم متصل ہیں اور نیشاپور سے بیس کوس کے فاصلے پر واقع ہیں اور یہ ایسا ہے جیسے نواحِ دہلی میں باڑہ اور ہریانہ۔

ان دیہات میں سب سے بڑا گاؤں خسروجرد ہے (جیم کے کسرہ کے ساتھ) جہاں بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر ہے۔ ماہِ شعبان ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔

حاکم، ابوطاہر بن فورک متکلم اصولی، ابوعلی رودباری صوفی اور ابوعبدالرحمٰن سلمی صوفی رحمہم اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کیا۔ بغداد، خراسان، کوفہ، حجاز اور دیگر بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے علم میں بڑی برکت اور فہم میں کامل قوت عطا فرمائی تھی۔ ان کی یادگار میں ایسی ایسی تصانیف موجود ہیں جو ان سے پہلے لوگوں سے ظاہر نہیں ہوئیں۔ بہت کثیر التصانیف محدث تھے۔ ان کی تصانیف کی مجموعی تعداد ایک ہزار تک شمار کی گئی ہے۔

ان کے قلم سے ایسی ایسی تصانیف نکلی ہیں جن کی نظیر سابقین میں بھی خال خال ہی ہے۔ ان کی چیدہ اور نافع تصانیف میں سے "کتاب الاسماء والصفات" ہے یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں مجھے اس

---

[1] امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمے کے لئے دیکھئے: "الانساب للسمعانی" [illegible]، "الکامل لابن اثیر" [illegible]، "وفیات الاعیان" [illegible] و [illegible]، "تذکرۃ الحفاظ" [illegible]، "سیر اعلام النبلاء" [illegible]، "کشف الظنون" [illegible] و [illegible] و [illegible]، "طبقات السبکی" [illegible]، "بستان المحدثین" اردو، ص ۸۳۔

کتاب کی نظیر نہیں ملتی، اس طرح:

"دَلَائِلُ النُّبُوَّةِ، مَنَاقِبُ الشَّافِعِيِّ، دَعَوَاتُ الْكَبِيْرِ، شُعَبُ الْإِيْمَانِ"

سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں میں قسم کھا کر بیان کر سکتا ہوں کہ دنیا میں یہ پانچوں کتابیں بے مثل ہیں، ان کے علاوہ: "سنن کبریٰ" "خلافیات" "کتاب الزھد" "اربعین صغریٰ و کبریٰ" "کتاب الاسرار" بھی ان کی تصانیف میں بلند پایہ تصنیف ہیں۔

زہد و ورع میں وہی خصائل رکھتے تھے جو علماء ربانیین میں ہونی چاہئیں۔ امام الحرمین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ ہر شافعی مذہب والے پر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، لیکن ایک بیہقی ہیں جن کا احسان خود امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ پر ہے، کیونکہ ان کی فقہ کو اس طرح مضبوط و مدلل طور پر مدون کرنے اور اس کے رائج کرنے کا سہرا انہی کے سر ہے۔

"معرفۃ السنن والآثار" کی تصنیف کے دوران متعدد اشخاص نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں اس کتاب کے چند اجزاء ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ آج فقیہ احمد کی کتاب کے سات اجزاء ہم نے پڑھے ہیں۔

ان تمام فضائل و کمالات کے باوجود یہ عجائبات میں سے ہے کہ جامع ترمذی، نسائی اور سنن ابن ماجہ ان کے پاس نہ تھیں، اس لئے ان ہر سہ کتابوں کی احادیث کی انہیں کما ینبغی اطلاع نہ تھی۔

محمد بن عبدالعزیز مروزی رحمہ اللہ تعالیٰ جو مشہور فقیہ ہیں فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک صندوق زمین سے آسمان کی طرف اڑا جا رہا ہے اور اس کے ارد گرد ایک ایسا چمکتا ہوا نور ہے جو آنکھوں کو خیرہ کرتا ہے، میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا چیز ہے؟ تو فرشتوں نے جواب دیا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی

تصنیفات کا یہ صندوق ہے جو بارگاہ کبریا میں مقبول ہو گیا ہے۔

۱۰ ر جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ کو شہر نیشاپور میں ان کا انتقال ہوا، پھر ان کا تابوت بیہق کے سب سے بڑے شہر خسرو جرد لایا گیا اور وہیں آپ کو ہمیشہ کے لئے سپرد خاک کر دیا گیا۔[1]

---
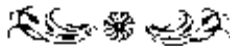
[1] امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان کبھی کبھی شعر و شاعری کی طرف بھی ہوتا تھا، درج ذیل چند پر حکمت بیت آپ ہی کے ہیں

مَنِ اعْتَزَّ بِالْمَوْلٰى فَذَاكَ جَلِيْلٌ   وَمَنْ رَامَ عِزًّا عَنْ سِوَاهُ ذَلِيْلٌ

وَلَوْ اَنَّ نَفْسِيْ مُذْ بَرَاهَا مَلِيْكُهَا   مَضٰى عُمْرُهَا فِيْ سَجْدَةٍ لَقَلِيْلٌ

اُحِبُّ مُنَاجَاةَ الْحَبِيْبِ بِاَوْجُهٍ   وَلٰكِنَّ لِسَانَ الْمُذْنِبِيْنَ كَلِيْلٌ

جس شخص کو خدا نے عزت دی تو وہ بزرگ ہے اور خدا کے سوا کسی دوسرے سے عزت کا طالب ہوا تو وہ ذلیل ہے۔

میرے نفس کی جیسے اس کو اس کے مالک نے پیدا کیا ہے اگر تمام عمر سجدہ (عبادت) میں گزر جائے تو نہایت قلیل ہے۔

میں اپنے حبیب کی مناجات کو بہ وجوہ پسند کرتا ہوں، لیکن گنہگاروں کی زبان گونگی ہے۔

(بستان المحدثین۔ اردو، ص ۸۶)

تذکرۂ امام رزین رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

آپ کی کنیت ابوالحسن اور نام رزین بن معاویہ بن عمار عبدری اندلسی سرقسطی ہے اور عبدری قریش کے مشہور قبیلہ عبدالدار کی طرف نسبت ہے۔

مشہور محدث ہیں "تَجْرِیْدُ الصِّحَاحِ" نامی کتاب میں "موطا امام مالک" اور صحاح ستہ کی احادیث کو جمع کیا ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "جامع الاصول" کی تالیف میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ ان کی ایک اور تالیف تاریخ مکہ پر بھی ہے۔

ایک طویل زمانہ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور وہیں وفات پائی۔ قیام مکہ کے دوران حافظ ابومکتوم عیسیٰ بن ابوذر رحمہ اللہ تعالیٰ سے "صحیح بخاری" کی اور حافظ ابو عبداللہ حسین طبری رحمہ اللہ تعالیٰ سے "صحیح مسلم" کی سماعت فرمائی۔

ان سے حدیث حاصل کرنے والوں میں قاضی حرم ابوالمظفر محمد بن علی طبری، حافظ ابوموسیٰ مدینی اور حافظ ابن عساکر رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔

صاحب "بغیة الملتمس" نے آپ کی وفات ۵۲۴ھ میں اور تقی الدین الفاسی نے ۵۲۵ھ میں بتلائی ہے، لیکن حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "سیر النبلاء" اور "العبر" میں ۵۳۵ھ لکھی ہے۔

---

[1] امام رزین رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! "سیر اعلام النبلاء" ۲۰/۲۰۴، "مقدمہ جامع الاصول" ۱/۸۷، "تذکرۃ الحفاظ" ۴/۱۲۸۱، "کشف الظنون" ۱/۳۴۵۔

فوائدِ اسناد[1]

اس زمانہ میں جب کہ حدیثوں کی کتابیں مرتب ہوچکیں، حدیثوں کو مع السند بیان کرنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی لیکن باوجود اس کے علماء نے اس سلسلۂ سند کو مستحسن سمجھا اور اس کے چند فوائد تحریر فرمائے:

❶ ..... اس سلسلۂ سند سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتصال اور وابستگی حاصل ہوجاتی ہے۔

---

[1] علم حدیث میں سند کی اہمیت کچھ کم نہیں، عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اَلْإِسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ، وَلَوْلَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ"

اسناد دین میں سے ہے، اگر اسناد نہ ہوتی تو جس کا جو جی چاہتا کہتا۔ ان کا یہ بھی فرمانا ہے:

"بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْقَوَائِمُ يَعْنِي الْإِسْنَادَ"

اسناد ہمارے اور لوگوں کے درمیان "پائے" ہیں، یعنی: حدیث ہم نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی بلکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سنی ہیں اور صحابہ کا دور ہم سے دور ہے، جس تک ہم واسطوں ہی سے پہنچ سکتے ہیں۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"مَثَلُ الَّذِيْ يَطْلُبُ أَمْرَ دِيْنِهٖ بِلَا إِسْنَادٍ كَمَثَلِ الَّذِيْ يَرْتَقِي السَّطْحَ بِلَا سُلَّمٍ"

اس شخص کی مثال جو دینی بات کو بغیر سند کے حاصل کرتا ہے اس شخص جیسی ہے جو چھت پر بغیر سیڑھی کے چڑھتا ہے۔ (مقدمہ صحیح مسلم، ص ۱۲، باب بیان ان الاسناد من الدین، فیض المسلم، ص ۸۲)

سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اَلْإِسْنَادُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهٗ سِلَاحٌ فَبِأَيِّ شَيْءٍ يُقَاتِلُ"

اسناد مومن کا ہتھیار ہے تو بغیر ہتھیار کے کیسے قتال کرے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"مَثَلُ الَّذِيْ يَطْلُبُ الْحَدِيْثَ بِلَا إِسْنَادٍ كَمَثَلِ حَاطِبِ لَيْلٍ"

بغیر سند کے طالب حدیث کی مثال ایسی ہے جیسے رات کو لکڑیاں چننے والا۔ (الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ ص ۲۶)

❷ ...... یہ سلسلۂ سند جاری رہتا ہے جو امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طرۂ امتیاز ہے اور یہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین میں نہیں پایا جاتا، خواہ وہ ادیان سماوی ہوں یا غیر سماوی، بخلاف امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کہ ان کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات بالاسناد منقول ہے۔[1]

❸ ...... سلف صالحین اور علماء محدثین کی اقتداء و پیروی حاصل ہو جاتی ہے۔

انہیں فوائد کے پیش نظر ختم کتب حدیث یا کتب درسیہ کے بعد مدارس میں سندیں بھی عطا کی جاتی ہیں، ورنہ دراصل قابلیت اور استعداد سند ہوا کرتی ہے اور اگر قابلیت و استعداد مفقود ہے تو سند رسمی ہوا کرتی ہے، تبرکاً کچھ مفید ہو تو ہو۔ لیکن استعداد و قابلیت کے ساتھ سند ہو تو "نُورٌ عَلٰی نُوْرٍ" اور اس وقت سند کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے۔

مشائخ کرام اپنی اسانید کتاب وہاں تک بیان کرتے تھے جہاں تک وہ معروف و مطبوع نہ ہو۔ ہمارے اکابر کے یہاں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ تک سند بیان کرنے کا دستور ہے آگے نہیں، کیونکہ اس سے آگے مطبوع ہے، خود شاہ صاحب نے رسالہ "اَلْإِرْشَادُ إِلٰی مُهِمَّاتِ الْأَسْنَادِ" میں اپنی سند بیان فرمائی ہے اور اس میں اسانید کا جال بچھایا ہے۔

اسی طرح حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی اسانید "اَلْيَانِعُ الْجَنِيُّ فِيْ أَسَانِيْدِ عَبْدِ الْغَنِيِّ" کے نام سے عرب و عجم میں مشہور ہے۔

---

[1] حافظ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں میں کسی کو یہ توفیق میسر نہیں ہوئی کہ اپنے رسول کے کلمات کو صحیح ثبوت کے ساتھ محفوظ کر سکے، یہ صرف اس امت کا طرۂ امتیاز ہے کہ اس کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک کلمہ کی صحت اور اتصال کے ساتھ جمع کرنے کی توفیق عطا ہوئی ہے۔ آج روئے زمین پر کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو اپنے پیشوا کے ایک کلمہ کی سند بھی صحیح طریق پر پیش کر سکے۔ اس کے برخلاف اسلام ہے جو اپنے رسول کی سیرت کا ایک ایک شوشہ پوری صحت و اتصال کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ (ترجمان السنة: ۱/۱۷۱)

اپنی سندِ مشکوٰۃ

میں اپنی بے بضاعتی اور عدم استعداد کا اعتراف کرتے ہوئے سندِ مشکوٰۃ کو تبرکاً تحریر کرتا ہوں:

❶ ..... میں نے "مشکوٰۃ شریف" حضرت مولانا ابو الشفاء حبیب الرحمٰن صاحب بُنیادوی مدظلہم (مدرس دارالعلوم شریفیہ راندیر) سے پڑھی۔ انہوں نے حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھی اور انہوں نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھی ہے۔

❷ ..... اسی طرح استاذ محترم مولانا ابو الشفاء صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ "مشکوٰۃ" کی سماعت حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ (صاحب التعلیق الصبیح) سے بھی کی ہے اور ان سے ان کو اجازت حاصل ہے۔ مولانا ادریس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مشکوٰۃ" حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھی ہے۔ انہوں نے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے حضرت مولانا رشید الدین صاحب بخاری ثم دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے کتب احادیث پڑھیں۔

❸ ..... حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو جملہ کتب حدیث کی اجازت مولانا عبد القیوم صاحب بڑھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی حاصل ہے، جو حضرت شاہ اسحٰق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشد تلامذہ میں سے ہونے کے علاوہ داماد بھی تھے اور شاہ اسحٰق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے۔ اس طرح حضرت کا سلسلہ تینوں واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ

اللہ تعالیٰ تک جا ملا۔

④ ... اسی طرح حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو شاہ عبدالغنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اجازت حدیث حاصل ہے۔ ان کو اپنے والد شاہ ابو سعید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور ان کو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے۔ اسی طرح شاہ عبدالغنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اجازت حدیث ہے اور ان کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے۔

⑤ ... اسی طرح حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو شیخ احمد دحلان مفتی شافعیہ مکۃ المکرمۃ سے بھی روایت و اجازت حدیث حاصل ہے۔

⑥ ... اسی طرح حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو شیخ سید احمد برزنجی مفتی شافعیہ مدینۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھی روایت و اجازت حدیث حاصل ہے۔

⑦ ... اسی طرح استاذی حضرت مولانا ابو الشفا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی روایت و اجازت حدیث حاصل ہے۔

⑧ ... نیز حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ (صاحب فتح الملہم) سے اجازت حدیث حاصل ہے۔

⑨ ... نیز حضرت اقدس مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اجازت حدیث حاصل ہے اور ان ہر سہ حضرات کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور ان کو حضرت مولانا حجۃ الاسلام محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور ان دونوں حضرات کو شیخ عبدالغنی محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اجازت حدیث حاصل ہے۔

⑩ ... حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضرت شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے براہ

واسطے بھی اجازتِ حدیث حاصل ہے، نیز شیخ محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ
اور شیخ احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ عبدالرحمن پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ سے
بھی روایت و اجازتِ حدیث حاصل ہے۔ ان چاروں حضرات کو شاہ محمد اسحٰق
صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور ان کو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور ان
کو مسندِ ہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اجازتِ حدیث حاصل
ہے۔

سے بحث ہوتی اس کا اجمالی طور پر تعین تھا۔ دورانِ درس استاد کی تقریر پر پوری توجہ دی جائے۔ جسمانی اور دل ودماغ دونوں طریقے سے حاضری ہو اور بات کو پورے طور پر سمجھنے کی سعی کرے اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آسکی تو اولاً رفقاءِ درس سے پھر استاد سے مراجعت کرکے اس کو حل کرلیں، پھر ان تمام سمجھی ہوئی باتوں کا ساتھیوں کے سامنے تکرار کر جاوے۔ دورۂ حدیث کے سال میں طلباء کو اساتذہ کی تقاریر کو ثبت کرنے کا اہتمام کرنا چاہیئے، پھر ان تقاریر میں سے خلاصہ کو ذہن میں محفوظ رکھنا چاہیئے۔

۴ ... اجتناب عن المعاصی: پیچھے جو احترام کا نمبر گزرا، اس میں ایک بات تھی خود کا احترام۔ ہر طالب علم کے پیش نظر ہمیشہ یہ ہونا چاہیئے کہ میں علمِ نبوت کا طالب ہوں۔ میرے لئے کیا مناسب ہوگا اور کیا نامناسب ہوگا، اس لئے جس دین کو وہ حاصل کر رہا ہے اس دین کے جملہ فرائض، واجبات، سنن کا پابند ہونا چاہیئے۔ دو چیزیں ہیں ایک گناہ کا ہونا، دوسرا گناہ کرنا، بشری تقاضے سے گناہ ہو سکتے ہیں تو فوری اس پر توبہ ہو، اور گناہ بالقصد کرنا یہ طالب علم کی شان ہی نہیں ہے۔

ہمارے طلبہ میں عامۃً سینما بینی، داڑھی کترانا، نماز میں کوتاہی، بدنظری، مجلس بازی میں اوقات کی تضیع، لباس میں بے احتیاطی، اساتذہ اور منتظمین مدرسہ کی غیبت یہ سب امراض عام ہیں۔

جان لو علم ایک نور ہے، جس کو اللہ تعالیٰ قلب سلیم میں ودیعت فرماتے ہیں اور گناہوں سے اگر دل میں سیاہی ہوگی تو علم کا نور نہیں آسکتا۔ زمانہ طالب علمی بھری جوانی کا عامۃً زمانہ ہوتا ہے، اس میں قوتِ شہوانیہ کا غلبہ ہوتا ہے، اس لئے بعض اکابر کا جملہ مشہور ہے "جو اپنے ۱۷ سے ۲۷ سال تک کی عمر کی حفاظت کرتا ہے وہ ولی ہو کر دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔"

ہمارے حضرت مرشد سیدی فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب

گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے زمانہ میں جس دن "بخاری شریف" شروع ہوتی اس دن طلباء کی ایک بہت بڑی تعداد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت سے بہرہ ور ہوتی۔

❺ ... باوضو درس کا اہتمام: وضو ایک نور ہے اور علم بھی نور ہے اس لئے وضو کے ساتھ اہتمام کرو گے تو علم میں نورانیت آئے گی۔ بہت سے نیک بخت حضرات اب بھی ہیں جنہوں نے سن شعور میں قدم رکھنے کے بعد کسی بھی دینی کتاب کو بلا وضو نہیں چھوا۔

❻ ... دعا: علم خدا تعالیٰ کے خزانوں سے ملتا ہے، اس لئے باری تعالیٰ سے علم کی زیادتی مانگنے کا حکم ہوا، بلا طلب کے تو ماں بھی نہیں دیتی۔ ہمارے طلباء اس معاملہ میں بہت پیچھے ہیں اور میں تو یوں کہتا ہوں کہ جو علم نافع کی زیادتی کی دعا نہیں مانگتا اس کی علامت یہ ہے کہ وہ صاحب علم کے زمرہ میں گھومتا پھرتا دوسرے امور میں مشغول نظر آوے گا اور دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد علمی لائن میں نہیں رہے۔

ہمارے طلباء کی اس سلسلہ میں چار انواع ہیں:

❶ ... تعلیم میں محنت کے ساتھ دعاؤں کا بھی اہتمام۔

❷ ... محنت بھی نہیں دعا بھی نہیں۔

❸ ... محنت کرتے ہیں دعا نہیں مانگتے۔

❹ ... صرف دعا مانگتے ہیں محنت نہیں کرتے۔ ان کا حال ایسا ہے جیسا شادی کئے بغیر اولاد کی دعا کرنا۔ ساتھ میں دعا ایک مستقل عبادت ہے، دعا کی کثرت سے عبادت میں کثرت ہوتی ہے اور عبادت کی کثرت رضاء الٰہی کی کثرت کا موجب ہے اس لئے طالب علم کو متواضع بن کر ہمیشہ دعا کا اہتمام کرنا چاہئے۔

ہمارے طلباء کو دورۂ حدیث کے سال میں جو کتابیں روایۃً پڑھائی جاتی ہیں، ان

میں زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ نصاب بنانے والے اکابرین بیوقوف نہیں تھے، اس میں بہت سارے فوائد ہیں، سب سے بڑا فائدہ سرد[1] ہے اور تکرار سے روایات اوقع فی النفس ہو جاتی ہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، بِجَاهِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى آلِهٖ وَعَلٰى أَصْحَابِهٖ وَعَلٰى مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

(آمین)

[1] سرد: یہ مصدر ہے، معنی ہے لگاتار ہونا۔ مطلب یہ ہے کہ روایت کا بار بار اور مسلسل پڑھنے، سننے سے محفوظ و اوقع فی النفس ہو جائے۔

مصادر و مراجع

- احیاء علوم الدین ۔ امام محمد بن محمد الغزالی متوفی ۵۰۵ھ ۔ دار احیاء التراث العربی بیروت
- اشعۃ اللمعات ۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ ۔ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر پاکستان ۔
- الاعلام للزرکلی ۔ خیر الدین بن محمود بن محمد الزرکلی متوفی ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء ۔ دار العلم للملایین
- اعلام الحدیث ۔ امام ابو سلیمان احمد بن محمد الخطابی متوفی ۳۸۸ھ ۔۔۔ مرکز احیاء التراث الاسلامی جامعۃ ام القری
- اعلاء السنن ... علامہ ظفر احمد عثمانی متوفی ۔ دار الاشاعت کراچی
- الانساب ۔ ابو سعد عبد الکریم بن محمد بن منصور السمعانی متوفی ۵۶۲ھ ۔ دار الجنان بیروت
- اوجز المسالک ۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا متوفی ۱۴۰۲ھ ۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
- البدایۃ والنہایۃ ۔ عماد الدین اسماعیل بن عمر المعروف بابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ ۔ دار المعرفۃ بیروت
- [illegible]
- بستان المحدثین ۔ حضرت شاہ عبد العزیز متوفی ۱۲۳۹ھ ۔ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
- تاریخ بغداد ۔ حافظ احمد بن علی المعروف بالخطیب البغدادی متوفی ۴۶۳ھ ۔ دار الکتاب بیروت
- تاریخ البخاری الکبیر ۔ محمد بن اسماعیل البخاری متوفی ۲۵۶ھ ۔ دار الباز مکۃ المکرمۃ
- تدریب الراوی ۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ ۔ المکتبۃ العلمیۃ المدینۃ المنورۃ
- تدوین حدیث ۔ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی ۔ مکتبہ حقانیہ جناح مارکیٹ کراچی
- توجیہ النظر الی اصول الاثر ۔ علامہ طاہر بن صالح بن احمد الجزائری ۔ دار المعرفۃ بیروت
- تذکرۃ الحفاظ ۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی متوفی ۷۴۸ھ ۔ دائرۃ المعارف العثمانیہ بہند

- ترجمان السنۃ ... مولانا بدر عالم میرٹھی متوفی ۱۳۸۵ھ ۔ ادارہ اسلامیات لاہور
- التعلیق الصبیح ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۴ھ مکتبہ عثمانیہ لاہور
- مجموعۃ الفتاویٰ ... علامہ عبد الحی لکھنوی متوفی ۱۳۰۴ھ ۔ دار الاشاعت کراچی
- تعلیقات الرفع والتکمیل ... عبد الفتاح ابو غدہ متوفی ۱۴۱۷ھ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب
- تفسیر عزیزی ۔ سراج الہند مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ ۔ حقانی دار الکتب دہلی
- تقریب التہذیب ... حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ۔ دار الرشید حلب
- تقریر بخاری مولانا زکریا صاحب متوفی ۱۴۰۲ھ مکتبۃ الشیخ کراچی
- تلخیص الحبیر حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور
- تہذیب التہذیب ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ۔۔ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن
- تہذیب الکمال ۔ جمال الدین یوسف بن عبد الرحمن بن مزی متوفی ۷۴۲ھ ۔ مؤسسۃ الرسالۃ
- تہذیب الاسماء واللغات ۔ امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف متوفی ۶۷۶ھ ۔ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ
- الثقات لابن حبان حافظ ابو حاتم محمد بن حبان بستی متوفی ۳۵۴ھ ... دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد
- جامع بیان العلم وفضلہ ... حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البر مکی متوفی ۴۶۳ھ ۔ دار الفکر بیروت
- الجامع للترمذی ۔۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ ... ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
- الجامع للترمذی امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ ۔ دار احیاء التراث العربی
- التقریب ... امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف متوفی ۶۷۶ھ مکتبۃ العلمیہ مدینہ منورہ
- الرسالۃ المستطرفۃ ...... علامہ محمد بن جعفر کتانی میر محمد آرام باغ کراچی
- الکاشف عن حقائق السنن امام شرف الدین حسین بن الطیبی ۔ ادارۃ القرآن کراچی
- الاربعین النوویہ ... ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی متوفی ۶۷۶ھ [illegible]

۞ نصب الرایۃ — حافظ ابو محمد جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی متوفی ۷۶۲ھ — مجلس علمی ڈابھیل

۞ وفیات الاعیان — قاضی شمس الدین محمد بن احمد المعروف بابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ — دار صادر بیروت

۞ ہدی الساری مقدمہ فتح الباری — احمد بن علی معروف بابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — دار الفکر بیروت

۞ عجالۂ نافعہ — حضرت شاہ عبد العزیز صاحب — نور محمد آرام باغ کراچی

۞ لسان المیزان — حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ..... بیروت